اصلاحی، انقلابی، پرتاثیر بیانات کا حسین مجموعہ

بزمِ منوّر

جلد: پنجم

خطبات

واعظِ شیریں بیاں حضرت مولانا منور حسین ابن عبد اللہ صاحب سورتی دامت برکاتہم

امام وخطیب جامع مسجد بالہم، لندن، یوکے

زیرِ سرپرستی

مفتی محمد طاہر صاحب سورتی دامت برکاتہم

امام وخطیب چوڑگر مسجد وشیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ وقف صوفی باغ، سورت، گجرات، انڈیا

جدید ترتیب وتہذیب

(مفتی) محمد امین اُدھنا غفرلہ

ناشر

حضرت حافظ عبد الغفور بن عبد المجید شیخ صاحب دامت برکاتہم

مہتمم شیخ جامعہ احمد اللہ ومرکزی دار العلوم پال، ضلع سورت، گجرات، انڈیا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام کتاب : بزم منور (جلد: پنجم)

خطبات : واعظ شیریں بیاں حضرت مولانا منور حسین صاحب سورتی دامت برکاتہم

زیر سرپرستی : مفتی محمد طاہر صاحب سورتی دامت برکاتہم

جدید ترتیب و تہذیب : (مفتی) محمد امین اُدھنا غفرلہٗ

ناشر : حضرت حافظ عبد الغفور بن عبد المجید شیخ صاحب دامت برکاتہم

تیسرا ایڈیشن : محرم الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق اکتوبر ۲۰۱۷ء

صفحات : ۱۹۶

ملنے کے پتے

(۱) مرکزی دار العلوم پال، ضلع سورت، گجرات، انڈیا 0091-0261-2840120

(۲) مولانا محمد انور مصری صاحب (اسلامک بک ڈپو) 091 - 9825793711

نزد جامع مسجد، چوک پازار، سورت، گجرات، انڈیا

(۳) **دار الحمد** ریسرچ انسٹیٹیوٹ، سوداگر واڑہ، سورت، گجرات، انڈیا 091 - 9173103824

(۴) (مفتی) محمد امین اُدھنا، امن سوسائٹی، ادھنا، سورت 091 - 9909279863

المحتویات

فہرستِ مضامین

عناوین		صفحہ نمبر

کچھ صاحبِ کتاب کے بارے میں

از: مولانا محمد یونس سورتی

(خلیفہ عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب، کراچی)

تصدیق از: فقیہ امت

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری، راندیر، سورت

(صاحبِ فتاویٰ رحیمیہ)

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسوله الکریم. اما بعد!

۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۷ء کی بات ہے، حضرت مولانا منور حسین سورتی صاحب مد فیوضہم مجھ سے از راہ تعلق قدیم ان کی تقاریر کی اشاعت کے ابتدائی زمانہ میں بطور مقدمہ کچھ لکھنے کی فرمائش کرتے رہے، مگر اوّلاً تو اپنے اندر عدم اہلیت کی بنا پر ہمت نہ کی، دوسرے یہ کہ بعض اکابر نے کتاب پر تقریظ لکھنے کا حق ادا کر دیا، اس لئے بندہ ان کی گذارش کو ٹالتا رہا، پھر خیال آیا کہ کیوں نہ میں صاحبِ کتاب کا تعارف لکھ دوں تا کہ ان تقاریر کا مطالعہ کرنے والوں کو کتاب پر مزید اعتماد اور کتاب سے دلچسپی پیدا ہو۔

مولانا کا وطن:

حضرت مولانا منور حسین سورتی (ابن عبداللہ شیخ[1] صاحب) ہندوستان کے

(۱) آپ پابند شرع تھے، صاف ستھری زندگی تھی، اخلاق و کردار کے بلند (بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

صوبۂ گجرات کے شہر سورت میں ۱ر شعبان ۱۳۷۶ھ مطابق ۳ر مارچ ۱۹۵۷ء بروز اتوار پیدا ہوئے، آباء واجداد یہیں کے ہیں، سورت شہر میں محلّہ سگرام پورہ کے رہنے والے ہیں۔

حفظ قرآن کریم:

ابھی آپ نے ناظرہ قرآن کریم بھی ختم نہ کیا تھا کہ سورت شہر کے محلّہ رامپورہ کے دار العلوم میں اس کے بانی اور مہتمم الحاج عبد القادر موسیٰ میر صاحبؒ [۱] نے درجۂ حفظ میں داخل کر دیا، آپ نے بڑے شوق اور دل کی لگن کے ساتھ حفظ مکمل کیا۔

سہارنپور؛ رمضان المبارک میں حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی خانقاہ میں:

حفظ کے ساتھ ساتھ اساتذۂ کرام کی خدمت بھی بڑے ذوق وشوق سے کرتے تھے، جس کے نتیجہ میں حفظ کے استاذ حضرت مولانا محمد انور مصری صاحب سورتی [۲] مدظلہ آپ کو غالباً ۱۹۷۰ء یا ۱۹۷۱ء میں سہارنپور ماہ مبارک میں حضرت شیخؒ کی خانقاہ میں لے

(گذشتہ سے پیوستہ)

اور علمی دوست تھے، سینکڑوں اشعار نوک زباں تھے، محفل ومجلس خصوصاً شعراء کی مجلس میں موقع کے مطابق اشعار کہتے تھے، آپ کی وفات کے بعد محلّہ کے ایک مقتدر شاعر الحاج عبد القادر چشتی نظامی (تخلص: واصل سورتی) نے آپ کی زندگی پر ایک طویل نظم کہی ہے۔ بعمر پچھتر ۷۵ر سال ۱۵ر اگست ۲۰۰۴ء میں وفات پائی۔

حاشیہ اس صفحہ کا:

(۱) آپ نے ۲۱ر ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۴ر جنوری ۲۰۰۳ء کو وفات پائی۔

(۲) مولانا انور مصری صاحب مدظلہ: آپ نے جامعہ اشرفیہ، راندیر میں کئی سال تعلیم حاصل کر کے مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور میں ۱۰ر شوال ۱۳۸۸ھ مطابق ۳۰ر دسمبر ۱۹۶۸ء میں (بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

گئے، جہاں سینکڑوں اکابر وعوام اعتکاف کرتے تھے، مولانا انور صاحب کی برکت سے آپ کو بھی کم عمری کے باوجود قیام کی اجازت مل گئی۔

دیگر اکابر کی خدمت:

پھر مولانا کو حضرت شیخؒ کے یہاں آمد ورفت میں دیگر اکابر کی خدمت نصیب ہوئی، خصوصاً حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ[۱] (شیخ الحدیث مظاہر علوم، سہارنپور) اور حضرت مولانا ہاشم بخاری[۲] صاحبؒ، اور حضرت مولانا عبد المنان[۳] بن مولانا محمد شاکر

(گذشتہ سے پیوستہ)

دورۂ حدیث میں داخل ہوئے، یہ سال حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے بخاری شریف پڑھانے کا آخری سال تھا، بخاری شریف حضرت شیخ سے اور دیگر کتب حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ اور ناظم مدرسہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا عاقل صاحبؒ وغیرہ سے پڑھیں، فراغت کے دو تین سال بعد دار العلوم رامپورہ، سورت میں درجۂ حفظ پڑھایا، پھر اندازاً تین سال بعد جامع مسجد سورت کے دروازہ پر مختصر کتب خانہ قائم کیا، اور اب محلہ سید واڑہ میں عیسیٰ جی کی مسجد جو آپ کے گھر کے سامنے ہے، مسجد کے قدیم اور مصلیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر اسے شہید کروا کر وسیع وعریض خوش نما اور دیدہ زیب مسجد اور مسجد سے متعلق عمارت تعمیر کروائی، آج کی تاریخ میں بھی کچھ کام باقی ہے۔

حاشیہ اس صفحہ کا:

(۱) آپ ۱۶/شوال ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۱/جولائی ۲۰۱۷ء میں انتقال فرماگئے۔ نور اللّٰہ مرقدہٗ و برد اللہ مضجعہٗ.

(۲) مولانا ہاشم بخاری صاحب: آپ کا اصل وطن بخارا ہے، ۱۳/رجب ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۲/مارچ ۱۹۲۱ء میں پیدا ہوئے، ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء میں ہندوستان ہجرت کی، دار العلوم دیوبند میں داخلہ لے کر اندازاً ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء میں درس نظامی سے سند فراغ حاصل کی، بعدہٗ پالنپور حضرت مولانا محمد نذیر صاحبؒ کے مدرسہ میں پھر دار العلوم وڈالی اور رویدرا گاؤں میں کچھ کچھ مدت تدریسی خدمت انجام دے کر جامعہ حسینیہ راندیر میں ایک مدت درجۂ علیا کی کتابیں (بقیہ برصفحۂ آئندہ)

دہلویؒ، اور سورت گجرات کی مشہور شخصیت حضرت مولانا حکیم محمد سعد اجمیریؒ [۱] (المعروف: حکیم اجمیری صاحب) کی خوب خدمت کی۔ اسی طرح حضرت مولانا عبد الحفیظ مکّی صاحبؒ [۲]، حضرت مولانا معین الدین مرادآبادی صاحبؒ [۳] (شیخ الحدیث مدرسہ امدادیہ، مرادآباد) حضرت مولانا کفایۃ اللہ صاحب مدانوی پالنپوریؒ [۴]، اسی طرح حضرت مولانا منور حسین بہاریؒ [۵] جو خانقاہ کے انتظامی امور پر متعین تھے، ان کی بھی خدمت نصیب

(گذشتہ سے پیوستہ)

پڑھائیں، پھر دار العلوم دیوبند میں تدریسی خدمت انجام دے کر غالباً ۱۹۸۵ء میں مستقل مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔..

(۳) مولانا عبد المنان دہلویؒ: آپ حضرت مولانا عبد السبحان میواتی (بانی مدرسہ سبحانیہ، قصاب پورہ، دہلی) کے پوتے تھے، جید عالم صاحبِ درد بزرگ تھے، عربی، فارسی، اردو کے بڑے ماہر شاعر تھے، اور ہزار ہا ہزار تینوں زبانوں کے اشعار نوک زباں تھے، حضرت شاہ عبد القادر رائے پوریؒ اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی موجودگی میں اشعار سناتے، آخر میں سہارنپور حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے منسلک ہوئے، اور ان کی خدمت میں آتے جاتے رہے۔

حاشیہ اس صفحہ کا:

(۱) آپ نے انگلینڈ کے دورانِ سفر، شہر برمنگھم میں ۱۵/ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۸/ جولائی ۲۰۰۰ء بروز منگل وفات پائی۔

(۲) مولانا مکۃ المکرّمہ کے باشندے تھے، ساؤتھ افریقہ کے دورہ پر تھے، وہاں ۱۸/جنوری بدھ کے دن ۲۰۱۷ء کو انتقال فرما گئے۔ دوسرے دن جنت البقیع مدینہ منورہ میں مدفون ہوئے۔

(۳) آپ ۸/شوال ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۴/ اکتوبر ۲۰۰۸ء کو سورت شہر میں انتقال فرما گئے۔ اور دار العلوم مرکز اسلامی، انکلیشور، ضلع بھروچ کے احاطہ میں (جہاں وہ اپنی عمر کے آخری سالوں میں شیخ الحدیث رہے) مدفون ہوئے۔

(۴) مولانا کفایۃ اللہ صاحبؒ: حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے خلیفہ تھے، دار العلوم ماہی، پالنپور کے بانی و مہتمم تھے، ۱۳/ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۷/جنوری ۲۰۰۳ء شب جمعہ کو (بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

ہوئی، بلکہ ہمنام ہونے کی وجہ سے مولانا سورتی کے ساتھ شفقت کا معاملہ فرماتے، خانقاہ معتکفین سے پر ہونے کے باوجود آخری صف میں ان کے لئے جگہ کر دیتے، اور اپنے دو صاحبزادے محمد سلمان اور محمد سالم کے قرآن پاک سننے کا آپ کے حوالہ کیا، اور ایک مرتبہ سورت واپسی کی ٹکٹ کی رقم بھی عنایت فرمائی، مولانا کفایۃ اللہ پالنپوری صاحبؒ نے بھی ایک مرتبہ سورت واپسی کی ٹکٹ کی رقم عنایت فرمائی۔

جامعہ حسینیہ راندیر میں داخلہ:

آپ کا حفظ مکمل ہو چکا تھا کہ اسی سال راندیر ضلع سورت سے مہتمم جامعہ حسینیہ حضرت مولانا محمد سعید راندیریؒ (متوفی ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء) اور حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ سہارنپور حضرت شیخؒ کی خانقاہ میں پہونچے تھے۔

حضرت مولانا حکیم محمد سعد اجمیریؒ نے حضرت مولانا محمد سعیدؒ سے آپ کے جامعہ حسینیہ میں عربی تعلیم کے لئے داخلہ کی سفارش کی، اور فرمایا کہ یہ ایک غریب گھرانہ کا لڑکا ہے، چھٹیوں میں میرے پاس رہتا ہے اور اردو لکھنا پڑھنا سیکھتا ہے، گھر والے کسی کام میں لگانا چاہتے ہیں لیکن ہم اسے عالم بنانا چاہتے ہیں، ساتھ ساتھ سفارشی رقعہ بھی لکھ دیا۔

(گذشتہ سے پیوستہ)

سورت کے دورانِ سفر مہاویر ہسپتال میں انتقال فرمایا۔

(۴) مولانا منور حسین صاحب بہاریؒ: سہارنپور میں حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے یہاں رمضان المبارک میں خانقاہ میں معتکفین کے انتظامی امور پر متعین تھے۔ مظاہر علوم سہارنپور سے ۱۳۵۰ھ میں فارغ ہوئے، پانچ سال مظاہر علوم میں بعدہٗ دار العلوم لطیفی کٹہار میں تا دم آخر مدرس رہے۔ پھر کسی وقت مظاہر علوم میں عارضی طور پر استاذ الحدیث رہے۔ ....

الحمدللہ اس طرح ۱۹۷۱ء میں جامعہ حسینیہ، راندیر ضلع سورت میں داخلہ ہوگیا، ماشاء اللہ آپ نے علوم نبویہ میں جد و جہد کے علاوہ اپنے حسن اخلاق و نیک چلن اور اساتذۂ کرام کی خدمت سے جامعہ میں مقبولیت حاصل کی۔

مہتمم جامعہ حضرت مولانا محمد سعید راندیری صاحبؒ کی خصوصی توجہ و تربیت و شفقت نے تو آپ کے اندر ظاہراً و باطناً ایک نکھار پیدا کر دیا، دیگر اساتذہ بھی مشفق و مہربان رہے، اور استاذ الحدیث حضرت مولانا اسلام الحق صاحبؒ [1] نے تو آپ کے علوم دینیہ سے فارغ ہونے سے قبل ہی آپ کو اپنا داماد بنالیا۔

آپ نے بخاری شریف فخر گجرات حضرت علامہ و مولانا شیخ احمد اللہ راندیریؒ (متوفی ۲۷/صفر ۱۴۰۴ھ مطابق ۲/دسمبر ۱۹۸۳ء بروز جمعہ) سے پڑھی، اور دیگر کتب حدیث دوسرے محدثین سے پڑھیں۔

---

(۱) حضرت مولانا اسلام الحق صاحبؒ: آپ کا اصل وطن بہار ہے، مدرسہ امینیہ، دہلی میں علم حاصل فرمایا، مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی کفایۃ اللہ دہلویؒ کے تلمیذ رشید تھے، حضرت کی موجودگی میں آپ نے وہیں پر تدریسی خدمت انجام دی، اسی زمانہ میں الحاج عبد القادر میر صاحبؒ (بانی دار العلوم، رامپورہ، سورت) اپنے دار العلوم میں لے آئے، یہاں پر تقریباً چھ سال درس دیا، پھر جامعہ حسینیہ راندیر میں ۱۹۶۴ء سے ۱۹۸۰ء تک مختلف فنون اور حدیث و تفسیر کے استاذ رہے۔

اسی دوران دار العلوم بری (انگلینڈ) کے بانی حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب مدظلہ نے اپنے دار العلوم میں درس بخاری کے لئے تقرر فرمایا، آپ نے ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۶ء تک بخاری شریف کا درس دیا، آخری سال یعنی ۱۹۹۶ء میں رمضان المبارک میں عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تھے، اس دوران مدینہ منورہ میں ۲۸ ویں شب کو بوقت صبح چار بجے اپنی قیام گاہ پر واصل بحق ہوگئے، جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ و برد اللہ مضجعہ.

تقریر و بیان:

تقریر و بیان میں محنت اور دل چسپی کے نتیجہ میں جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا احمد اللہ راندیری صاحبؒ اپنی زندگی کے آخری سالوں میں دل کے مرض کی وجہ سے اپنے تقریری پروگرام میں جہاں اوروں کو اپنے ساتھ لے جاتے اور اپنی تقریر سے پہلے ان سے کچھ دیر بیان کا حکم فرماتے، کبھی کبھی آپ سے بھی بیان کرواتے، اور کبھی اپنی جگہ پر بھی بیان کے لئے بھیجتے، یہ ایک طالم علم کے لئے بڑے شرف کی بات ہے کہ اساتذہ ان سے اس طرح راضی اور خوش ہوں۔ **ذلک فضل اللّٰہ یؤتیه من یشاء.**

جامعہ سے فراغت:

اس طرح جامعہ میں شب و روز گذار کر ۱۴/شعبان ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۶/جون ۱۹۸۱ء میں اعلیٰ درجہ سے فراغت حاصل کی، شیخ الجامعہ حضرت مولانا احمد اللہ صاحب راندیریؒ نے خوش ہوکر اس ہونہار فارغ التحصیل کے لئے ایک نظم بھی تحریر فرمائی۔

دیوا بستی ضلع بھروچ میں دینی خدمات:

جامعہ سے فارغ ہوئے تو شیخ الجامعہ حضرت مولانا احمد اللہ صاحبؒ اور مفتیٔ جامعہ و استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی اسماعیل واڈی والا صاحبؒ[1] نے بمقام دیوا ضلع بھروچ کی جامع مسجد میں ۱۹۸۱ء میں تقرر کروادیا۔

یہ بھی آپ کا کمال تھا کہ اساتذہ کے حکم پر اپنا محبوب شہر 'سورت' چھوڑ کر دیہات میں تقریباً چار سال ۱۹۸۵ء تک دیوا کی جامع مسجد میں خطیب و امام رہے۔ عائد کردہ ذمہ

---

(۱) آپ نے یکم شعبان ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۵/اگست ۲۰۰۷ء میں وفات پائی۔

داری کے علاوہ اصلاح خلق کے خاطر تقریر و بیان، درسِ قرآن وحدیث اور مجلس اصلاح و فقہ کو اپنا لازمی اور اہم فریضہ بنایا، اور دیوا میں دیوانہ وار بن کر سارے امور انجام دیتے رہے، ساتھ ساتھ مختلف مقامات پر تقریری پروگرام بھی ہوتے رہے۔

جامع مسجد بالہم، لندن سے دعوت:

دیوا قیام کے دوران ۱۹۸۵ء میں جامع مسجد بالہم، لندن کے حضرات نے رمضان المبارک میں قرآن پاک کی تفسیر کے لئے آپ کو دعوت دی، چنانچہ آپ تشریف لائے اور روزانہ تفسیر فرمانے لگے۔

جامع مسجد بالہم، لندن میں تقرر اور خدمات:

مسجد بالہم کے مصلی حضرات نے محسوس کیا کہ لائق و فائق نوجوان ہیں، اور ان سے ہماری تشنگی دور ہوگی تو ان حضرات کا اصرار ہوا، اور حضرت مولانا اسلام الحق صاحبؒ کی تائید رہی، چنانچہ آپ کا تقرر ہو گیا، اور جمعہ کی نماز سے قبل اور اہم اہم مواقع میں بیانات اور روزانہ نماز کے بعد درسِ تفسیر وحدیث اور اصلاح و فقہ وغیرہ کا سلسلہ شروع فرمایا۔

یہ تمام امور دیوا بستی کی جامع مسجد میں بھی انجام دیتے تھے، لیکن وہاں ایک ہی طرح کا ماحول تھا، اور یہاں مختلف ممالک اور مختلف قبائل و خاندان اور مختلف المزاج و مسالک اور مختلف نظریات و افکار ماحول میں ہر طرح کی باتیں اور حالات سہہ کر مجسم صبر کا پیکر بن کر خندہ پیشانی و ملنساری اور حکمت عملی سے کام کرتے رہے، یہاں تک کہ ماحول گل و گلزار بن گیا، اور علاقہ کے بڑے چھوٹے آپ سے مانوس ہو گئے، اور آپ کی قدر

کرنے لگے۔ **الحمد للہ علیٰ ذلک**

علاوہ ازیں برطانیہ میں جب قادیانوں کی ریشہ دوانی شروع ہوئی، تو اس وقت ختم نبوت کے سلسلہ میں برطانیہ میں ہر سال کونفرنس شروع ہوئی، ہند و پاک وغیرہ سے علماء ومشائخ کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا، تو ابتدائی سالوں میں ان حضرات کا قیام لندن شہر میں آپ کے توسط سے مسجد بالہم میں رہتا تھا، اور ویسے بھی سال بھر میں وقتاً فوقتاً بعض بعض علماء ومشائخ کی آمد رہتی تھی، آپ ان کی بھرپور خدمت کرتے اور ان سے مستفید ہوتے، اس کے علاوہ لوگوں کے مسائل اور دینی وملّی امور بھی انجام دیتے رہے۔

آپ کی تقاریر کی اشاعت:

جب انسان کسی میدان میں کام شروع کرتا ہے، بالخصوص جب کہ اس پر ایک عرصہ بیت چکا ہو تو اللہ پاک کی طرف سے کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور ظاہر ہوتا ہے۔

چوں کہ میری آمد ورفت 'بالہم' (لندن) کی جامع مسجد میں زیادہ رہی ہے، اس لئے یہ بات میرے علم میں ہے کہ کئی سالوں سے وہاں کے بہت سے حضرات مولانا سے ان کی تقاریر کی اشاعت پر زور دیتے رہتے تھے، مگر اکابر علماء وعرفاء وسلف وخلف کے مواعظ کثیرہ کی موجودگی میں اپنے بیانات کی اشاعت کا خیال ان پر شاق گذرتا تھا، لیکن وہاں کے حضرات کے اصرار کے ساتھ بڑوں کی تائید وحوصلہ افزائی نے اشاعت کے اسباب بھی پیدا فرمادئے، اور ان تقاریر کے مجموعے کا نام بھی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ایوب سورتی صاحب نے ''بزم منور'' تجویز فرمادیا۔

اب آپ کے بیانات زمان ومکان اور ممبر ومحراب تک ہی محدود نہ رہے، بلکہ چہار دانگ عالم میں پھیل چکے ہیں، اور ان شاءاللہ متعدی اور دائمی رہیں گے۔

احقر الناس: محمد یونس سورتی غفرلہٗ

تصدیق بر مضمون تعارف

از: مفتیٔ گجرات حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ

(صاحب فتاویٰ رحیمیہ)

کتاب کی اشاعت کے بعد مولانا منور حسین سورتی سفرِ گجرات کے موقع پر 'راندیر' ضلع سورت، حضرت مفتی عبد الرحیم لاجپوری صاحب کی خدمت میں اپنے بیانات کا مجموعہ بنام 'بزم منور' لے کر پہنچے، حضرت مفتی صاحب نے بعمر ستانوے ۹۷ر انتہائی ضعف ونقاہت کے باوجود 'بزم منور' کے چند حصوں کے بیانات کی فہرست صاحب مواعظ سے سنی، اور کچھ مضامین سنے، پھر پوچھا کہ مولانا یونس (سورتی) نے آپ کی کتاب دیکھ لی؟ جواب دیا گیا کہ: جی ہاں! دیکھ لی، فرمایا کہ چوں کہ یہ اسی کام میں لگے ہوئے ہیں اس لئے ان کا دیکھنا کافی ہے، پھر تعارف کا پورا مضمون سنا، سن کر اپنے لرزتے ہوئے دستِ مبارک سے تحریر فرمایا کہ: ''ماشاءاللہ تعارف کا مضمون بڑا جامع اور مفید ہے'' پھر دستخط فرمائی۔

پیش لفظ

از: حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی

الحمد للّٰہ و کفٰی و سلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفیٰ؛ امابعد!

سیرت طیبہ پر مختلف زمانوں میں اور مختلف زبانوں میں ان گنت ولامحدود کتب سیر لکھی جا چکی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی، اور بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ آج تک کسی بھی موضوع پر اتنی کتابیں تصنیف نہیں کی گئیں جتنی کہ ''سیرت طیبہ'' پر لکھی گئی ہیں۔

سیرت النبیؐ پوری انسانیت کے لیے ہدایت وروشنی کا وہ مینار ہے جس سے گم گشتہ راہ انسانوں کو ہدایت ملتی ہے۔ سیرت پاک پوری انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ اللہ نے جو شان، جو حسن و جمال، جو محاسن وکمال اور معنوی خوبیاں اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہیں ان کا صحیح ادراک وعرفان اور علم ومعرفت خوش نصیب لوگوں کو ہی نصیب ہوتا ہے، جن کی فکرونظر میں پاکیزگی اور دل کے نہاں خانوں میں سوز وتڑپ ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے متعلق ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''وکان خلقہ القرآن''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق (سیرت) یہ قرآن ہی ہے۔ گویا ایک علمی قرآن ہے جو اوراق میں محفوظ ہے اور ایک عملی قرآن یعنی سیرت ہے جو ذاتِ نبویؐ میں محفوظ ہے۔ اور دونوں آپس میں ایک دوسرے پر من وعن منطبق ہیں۔ قرآن میں جو کہا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کر کے دکھایا۔ قرآن کی ہزاروں آیتیں دراصل سیرتِ طیبہ کے علم و

تعارف کی تشریحات ہیں۔قرآن میں جو چیز قال ہے وہی ذاتِ نبویؐ میں حال ہے۔ قرآن مجید کی کوئی بھی آیت ہو وہ آپؐ کی کسی نہ کسی پیغمبرانہ سیرت اور کسی نہ کسی مقام نبوت کی تعبیر ہے اور آپ کی سیرت پاک اس کی تفسیر۔

اسلام کی ابتداء میں بھی سیرت طیبہ ہی سے اس وقت کی بے چین و بے قرار دنیا کو چین وسکون ملا تھا اور چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد مایوسی و پریشانی کے عالم میں منتشر و مضطرب آج کی دنیا کو بھی اس سیرت پاک سے امن وآشتی اور راہ ہدایت ونجات مل سکتی ہے۔

شرق اور غرب میں بکھرے ہوئے گلزاروں کو
نکہتیں بانٹتا ہے آج بھی صحرا تیرا

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ایک ایک پہلو کو جس والہانہ عقیدت، عاشقانہ محبت اور دیوانہ وار محنت وکاوش سے اس امت نے محفوظ کیا ہے اس کی نظیر سیر وسوانح کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

سیرت طیبہ کے تفصیلی مطالعہ سے یہ خلاصہ نکلتا ہے کہ سیرتِ طیبہ اصولاً زندگی کے تین شعبوں پر مبنی ہے۔تعلق مع اللہ، تعلق مع الخلق اور تعلق مع النفس۔ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو جو قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے اسوہ ہے، کامل، اکمل اور جامع انداز میں پیش کرنا تو انسانی بس کی بات نہیں اور نہ ہی قرطاس وقلم اس کے متحمل ہو سکتے ہیں، تاہم سیرت طیبہ کے عنوان پر تحریر وتسوید اور تقریر وبیان سے مقصود حصولِ سعادت کے سوا اور کچھ نہیں۔

سیرت پاک کی معرفت وآگہی صرف فرض ہی نہیں بلکہ اس کو جاننا اور اسے اپنا دستورِ زندگی بنا لینا ہی مدار ایمان ہے۔ سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو تحریری وتقریری انداز میں امت کے سامنے پیش کیا جاتا رہا ہے اور کیا جاتا رہے گا۔

پیش نظر کتاب بھی اسی مبارک موضوع پر حضرت مولانا منور حسین سورتی مدظلہ کے خطبات پر مشتمل ہے، جنہوں نے سیرت طیبہ کے وسیع اور لامحدود عنوان کو ایجاز واختصار کے ساتھ نہایت جامع اور مدلل انداز میں بیان کیا ہے۔

ترویج شریعت کی جد و جہد میں مصروف، دیارِ غیر کی فضاؤں میں قال اللہ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائے حق کے علمبردار، واعظ وخطیب اور محبوب مذہبی رہنما حضرت مولانا منور حسین سورتی مدظلہ دورِ حاضر کے جادو بیان واعظ اور بے مثال خطیب ہیں۔ موصوف کا انداز بیان اتنا دلچسپ اور دلنشیں ہوتا ہے کہ آپ کی مجلس میں بار بار شریک ہونے کو جی چاہتا ہے۔

مولانا موصوف سے میری پہلی ملاقات ۱۹۹۵ء میں حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم ایمجی مدظلہ اور الحاج عبدالخالق ایمجی مدظلہ کی مخلصانہ دعوت پر بسلسلۂ دعوت وتبلیغ دورہ برطانیہ کے موقع پر ہوئی۔ بہت قریب سے دیکھنے، سننے اور ہمہ جہت پرکھنے کا موقع ملا۔ دینی اجتماعات، مولانا موصوف کی اپنی مسجد (بالہم لندن) میں درسِ قرآن وحدیث، خطباتِ جمعہ، مواعظ اور اس حلقہ میں دینی وفکری کام کرنے کے مواقع بھی ملتے رہے۔

مولانا منور حسین سورتی مدظلہ میرے ہم عصر، ہم عمر، نوجوان عالم دین ہیں، اور اچھے خاصے عوامی خطیب بھی ہیں اور پیر بھی۔ خدمتِ دین کی غرض سے سات سمندر پار دیارِ غیر میں ایک حلقہ احباب کے محبوب رہنما بھی ہیں اور مقتدا بھی، مگر ہر موقع پر، ہر اجتماع میں کسی بھی عنوان سے اور کسی بھی انداز سے انہیں موقع ملا تو انہوں نے خود کو پیچھے رکھا۔ خود نمائی سے کوسوں دور، معاصرانہ چشمک کی رنگینیوں سے معذور، اخلاص ومحبت اور دینی درد سے معمور پیکر اخلاص ووفا، موقع ملتا تو احقر سے درسِ نظامی کی پڑھائی ہوئی کتابوں کا تکرار کراتے۔ پھر وہی کتابیں گھر میں بچیوں کو پڑھاتے، اور اس میں کبھی عار محسوس نہیں کیا۔ میں اسے ولایت

سمجھتا ہوں، میرے نزدیک یہی بزرگی ہے۔اسلام کوانسان کامل کی یہی صفت مطلوب ہے کہ انسان کا دل حسد، بغض، کینہ، عداوت، مکر وفریب، چالاکی، منافقت اور فتنہ وفساد سے پاک ہو اور یہ جملہ صفات مولانا سورتی مدظلہ میں بدرجہ اتم موجود پائے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

لندن میں مولانا کی تقاریر عام مسلمان بڑے ذوق وشوق سے سنتے ہیں۔ان کی تقاریر میں بڑی چاشنی ہوتی ہے۔ان کے خطبات وتقاریر اکابر کے خطبات ومواعظ سے مستفاد ہیں، مگر زبان وبیان اور انداز مولانا منور حسین سورتی کا اپنا ہے۔

''ہاں ہاں منور تو منور ہی ہیں، ان کے خطبات بھی منور ہیں۔'' یہ صاحبِ کتاب کے خاندانی بزرگ شیخ الحدیث حضرت مولانا اسلام الحق مدظلہ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں۔مولانا موصوف کے آڈیو کیسٹوں میں محفوظ انہی منور خطبات کے موتیوں کو صفحہ قرطاس پر بکھیرنے اور نذرِ قارئین کرنے کے لیے القاسم اکیڈمی وارا کین جامعہ ابو ہریرہؓ، خود مولانا منور حسین سورتی مدظلہ اور ان کے احباب ومخلصین کی شب وروز محنت اور ذوق وشوق کا ثمرہ بزم منور کی چار کامیاب جلدوں کی اشاعت اور قارئین سے بھرپور پذیرائی حاصل کرنے کے بعد پانچویں جلد بعنوان ''سیرت طیبہ کی امتیازی شان'' پیش خدمت ہے۔امید بلکہ یقین ہے کہ قارئین اس کی قدر کریں گے۔اگر قارئین نے حسب سابق اس جلد کی بھی پذیرائی اور حوصلہ افزائی فرمائی تو جامعہ ابو ہریرہ کا شعبہ نشر واشاعت مولانا کے سلسلۂ مواعظ کی دیگر تقاریر بھی جلد شائع کرے گا۔

عبدالقیوم حقانی
مدیر جامعہ ابوہریرہ۔خالق آباد
ضلع نوشہرہ، صوبہ سرحد پاکستان

﴿ ۱ ﴾

سیرت طیبہ کی امتیازی شان

(قسط اول)

نہ کچھ شوخی چلی باد صبا کی
بگڑنے میں بھی زلف ان کی بنا دی

﴾ ۱ ﴿

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سیرت طیبہ کی امتیازی شان

(قسط اول)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡاَنۡبِیَاءِ وَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ۔ اَمَّا بَعۡدُ !

فَاَعُوۡذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ٥ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥
مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ

(الفتح:۲۹)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشاهدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

سَلَامٌ عَلٰی خَیۡرِ الۡاَنَامِ وَ سَیِّدِیۡ = حَبِیۡبِ اِلٰہِ الۡعَالَمِیۡنَ مُحَمَّدِ

بَشِیۡرٍ نَذِیۡرٍ ہَاشِمِیٍّ مُّکَرَّمٍ = عَطُوۡفٍ رَؤُوۡفٍ مَّنۡ یُّسَمّٰی بِاَحۡمَدِ

دیروز در بستان سرا = ہمہ طوطیان خوشنوا

پڑھتی تھی نعت مصطفیٰ = بَلَغَ الۡعُلٰی بِکَمَالِہٖ

اور بلبلیں بھی سو بسو = کرتی تھیں باہم گفتگو

لے لے کے ہر ایک گل کی بو = کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

اور قمریاں بھی ذوق سے = گردن نکالی طوق سے

کہتی تھیں اپنے شوق سے = حَسُنَتۡ جَمِیۡعُ خِصَالِہٖ

چڑیوں کے سن کر چہچہے = انسان بھلا کیوں چپ رہے
لازم اس کو یوں کہے = صَلُّوا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

احمد،محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)،مقام محمود:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پہلے آسمانوں میں آپ کا نام مبارک احمد تھا۔اور جب آپ کی ولادت شریف ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد خواجہ عبدالمطلب نے ساتویں روز عقیقہ کیا،اور اس تقریب میں تمام قریش کو دعوت دی،اور آپ کا نام محمد رکھا۔قریش نے سوال بھی کیا کہ اے عبدالمطلب ! آپ ایسا انوکھا نام کیوں رکھتے ہو؟ آپ کی قوم میں سے آج تک یہ نام تو کسی نے نہیں رکھا۔تو آپ کے دادا نے کہا: میں نے یہ نام اس لیے رکھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جو مخلوق آسمانوں میں ہے، اور جو مخلوق زمین پر ہے، وہ سب اس نومولود کی حمد وثنا کرے۔

خواجہ عبدالمطلب کا ایک خواب:

اصل میں عبدالمطلب نے آپ کی ولادت سے پہلے ایک خواب دیکھا تھا، کہ عبدالمطلب کی پشت سے ایک زنجیر ظاہر ہوئی، کہ جس کا ایک سرا آسمان میں اور دوسرا سرا زمین میں،اور ایک سرا مشرق میں،اور دوسرا سرا مغرب میں ہے۔کچھ دیر کے بعد وہ زنجیر درخت بن گئی،جس کے ہر پتے پر ایسا نور ہے کہ جو آفتاب کے نور سے ستر(۷۰)درجے زائد ہے۔مشرق ومغرب کے لوگ اس کی شاخوں سے لپٹے ہوئے ہیں۔قریش کے کچھ لوگ تو اس کی شاخوں کو پکڑے ہوئے ہیں،اور کچھ لوگ اس کے کاٹنے کا ارادہ کرتے ہیں۔قریش جب اس کو کاٹنے کا ارادہ کرتے تو ایک حسین وجمیل جوان اس کو ہٹا دیتا ہے۔

معبرین نے اس کی یہ تعبیر دی کہ تمہاری نسل سے ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا، کہ مشرق سے لے کر مغرب تک لوگ اس کی اتباع کریں گے، اور آسمان و زمین والے اس کی حمد و ثنا کریں گے۔ اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی 'محمد' رکھا۔

(فتح الباری: ۷/۱۲۴)

اور ادھر آپ کی والدہ ماجدہ کو رؤیائے صالحہ (نیک خواب) کے ذریعہ سے یہ بتلایا گیا، کہ تم برگذیدہ خلائق اور سید الامم کی ماں بننے والی ہو۔ اس بیٹے کا نام محمد رکھنا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ احمد رکھنا۔ علامہ سیوطیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے: اس میں یہ ہے کہ محمد اور احمد رکھنا۔

(خصائص کبریٰ: ۱/۴۲)

محمد کے معنیٰ:

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ نے سیرت مصطفیٰ میں لکھا ہے کہ لفظ محمد اصل میں حمد سے بنا ہے۔ اور حمد کے معنیٰ کسی کے اخلاق حمیدہ واوصاف پسندیدہ وکمالات اصلیہ اور فضائل حقیقیہ اور محاسن واقعیہ کے ساتھ بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ اور تحمید جس سے محمد مشتق ہوا ہے، عربی لغت میں باب تفعیل کا مصدر ہے، جس کی وضع ہی مبالغہ اور تکرار کے لیے ہوئی ہے، لہذا لفظ محمد جو تحمید کا اسم مفعول ہے، اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ وہ ذات ستودہ صفات ہے کہ جن کے واقعی اور اصلی کمالات اور محاسن کو محبت اور عظمت کے ساتھ کثرت سے بار بار بیان کیا جائے۔ صاحب قاموس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایک معنیٰ یہ بھی لکھے ہیں: وہ ذات جس کی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوا ہو۔ صَلٰوۃُ اللّٰہِ وَ سَلَامُہٗ عَلَیْہِ.

احمد کے معنیٰ:

میرے آقا حضرت سید الاولین والآخرین محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا نام مبارک احمد ہے۔احمد کے معنیٰ سب سے زیادہ حمد کرنے والا۔کہا جاتا ہے: ”احمد الناس برب الناس“،لوگوں میں سے سب سے زیادہ اللہ کی تعریف کرنے والا۔

لغت میں اصل میں احمد اسم تفضیل کا صیغہ ہے،اور اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں کے معنیٰ میں آتا ہے۔اگر اسم مفعول کے معنیٰ لیے جائیں تو احمد کے یہ معنیٰ ہوں گے سب سے زیادہ ستودہ صفات۔تو اس میں کوئی شک نہیں کہ مخلوق خداوندی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی قابل تعریف نہیں ہے،اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی سراہا گیا ہو۔اگر اسم فاعل کے معنیٰ میں لیے جائیں تو احمد کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ مخلوق خداوندی میں سب سے زیادہ خالق رب السماوات والارض کی حمد اور ستائش وتعریف کرنے والے،وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔اور اس میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں کہ دنیا میں میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نے خداوند ذوالجلال والاکرام کی وہ حمد وثنا وتعریف کی کہ اس جیسی حمد وثنا کسی مخلوق نے نہیں کی۔

اسی وجہ سے انبیاء سابقین نے آپ کے وجود بابرکت کی بشارت لفظ احمد کے ساتھ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی بشارت حمادون کے لقب سے دی۔

حمد:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا کس طرح اور کیسے کرنا چاہیے،اس کا طریقہ بھی رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو سکھلایا۔ حمد اور اس کے موقع استعمال کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو سکھلائی۔ آپ حضرات کے علم میں اتنی بات تو ضرور آ گئی ہوگی کہ لفظ احمد جو حمد سے مشتق ہے یعنی ''ح م د'' جس کے معنیٰ تعریف کرنا ہے، اور حمد سب سے اخیر میں ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر آپ کھانا شروع کرتے ہیں، تو سب سے پہلے پڑھتے ہیں: بِسْمِ اللّٰہِ وَ بَرَکَةِ اللّٰهُ. یا بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. اور جب کھانے سے فارغ ہوتے ہیں تو پڑھتے ہیں: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ'' تو کھانے کی ابتدا بسم اللہ سے ہوئی اور اختتام الحمد پر ہوا۔ اسی طرح جب سونے کے لیے بستر پر لیٹتے ہیں تو پڑھتے ہیں: ''اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَ اَحْیٰی'' اور جب نیند سے بیدار ہوتے ہیں تو پڑھتے ہیں: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اِلَیْہِ النُّشُوْرُ'' آپ نے بارہا یہ سنا ہوگا کہ جب ہم بیان شروع کرتے ہیں تو پہلے بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد سے شروع کرتے ہیں، اور جب بیان یا تقریر ختم کرتے ہیں تو اخیر میں پڑھتے ہیں: ''وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ'' تو حمد سب سے اخیر میں ہوتی ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں آیت ''وَاٰخِرُ دَعْوٰھُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ'' کی تفسیر میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ جنت میں اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمت استعمال کرنے کے بعد جنتی کی زبان پر اخیر میں یہی جملہ ہوگا: ''وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ'' میرے دوستو! میری باتیں کچھ سمجھ میں بھی آ رہی ہیں کہ نہیں؟ اگر سمجھ میں نہ آئی ہو تو ایک لطیفہ سنیے۔

ایک علمی لطیفہ:

حضرت تھانویؒ نے ایک لطیفہ لکھا ہے کہ: ایک خان صاحب حضرت شاہ عبد

العزیز محدث دہلویؒ کے پاس آئے، اور خان صاحب نے کہا کہ حضرت! میرے یہاں لڑکا ہوا ہے، اور میں اس کا نام الحمد للہ خان رکھنا چاہتا ہوں، میرے ایک لڑکے کا نام ماشاء اللہ خان ہے، ایک لڑکے کا نام سبحان اللہ خان ہے، لہذا اس کا نام الحمد للہ خان رکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت نے منع فرمایا، مگر خان صاحب کی سمجھ میں نہیں آیا۔ خیر جب وہ چلا گیا تو حضرت نے فرمایا کہ اس کے سب بچے مر جائیں گے، کوئی زندہ نہیں رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تو خادموں نے پوچھا: حضرت! یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ تو حضرت نے فرمایا کہ: قرآن میں کیا ہے: ''وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ'' کہ حمد تو سب سے اخیر میں ہوتی ہے، اس وجہ سے یہ حکم ہے کہ ہر اچھے کام کے اختتام پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا مستحسن ہے۔

ختم نبوت پر ایک عجیب دلیل:

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ احمد نام میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی وخاتم النبیین ہیں۔ قرآن وحدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کے بہت سے دلائل موجود ہیں، وہ اپنی جگہ پر مسلم ہیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کی خاصیت اور خصوصیت یہ ہے کہ خود آپ کے نام نامی اسم گرامی ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اور کمال کی بات یہ ہے کہ کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ ہوئے، مگر کسی کا نام نہ احمد تھا نہ محمد تھا۔ حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت یونسؑ اور حضرت موسیٰؑ جیسے بڑے بڑے جلیل القدر انبیاء تشریف لائے مگر یہ نام کسی نبی کا نہیں ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ

والسلام کی اولاد بھی ہوئی، اوران میں سے بعض نبی بھی ہوئے، جیسے: حضرت ابراہیمؑ کی اولاد: حضرت اسحاقؑ، یہ بھی نبی اوراسحاقؑ کی اولاد میں حضرت یعقوبؑ، پھران کی اولاد میں یوسفؑ بھی نبی۔اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے بیٹے اسماعیلؑ بھی نبی۔ غرض بہت سے انبیاءعلیہم الصلوۃ والسلام کی اولاد بھی نبی ہوئے، مگران انبیاءؑ نے بھی اپنی اولاد کا نام نہ احمد رکھا نہ محمد۔ کیوں؟ اللہ کی طرف سے یہ فیصلہ تھا کہ احمد تو سب سے اخیر میں آنے والے ہیں، یہاں تک کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے اہل کتاب نے اپنی کتابوں کی بنیاد پر پیشین گوئیاں دینا شروع کیں کہ ایک نبی پیدا ہونے والے ہیں۔جیسے کہ حضرت عیسیٰؑ نے بشارت دی تھی:

وَمُبَشِّرًا ۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ ۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (الصف: ٦)

[میں بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آنے والے ہیں جن کا نام نامی اسم گرامی احمد ہوگا۔]

تو توریت اورانجیل کے عالموں نے اپنی اپنی کتابوں کی تعلیم کے مطابق آپ کی تشریف آوری کی بشارت دینا شروع کی، اور بتلایا کہ وہ آخری نبی ہوں گے، ان کی یہ صفات ہوں گی، ان کا حلیہ مبارک یہ ہوگا، اوران کا نام احمد اور محمد ہوگا۔

جب یہ باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پہلے مشہور ہونے لگیں، تو بہت سے لوگوں نے اپنی اولاد کا نام محمد اور احمد رکھنا شروع کردیا، اس امید پر کہ وہ ہمارے گھر آجائیں، نبوت کے چراغ سے ان کا گھر روشن ہوجائے۔علامہ سہیلی و قاضی عیاضؒ نے تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ ایسے چھ(٦) افراد ملتے ہیں، جنہوں نے اپنی

اولاد کا نام احمد اور محمد رکھا۔

گالی انہیں پر لوٹے گی:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ختم نبوت کا اعلان کیا، اور بت پرستی سے لوگوں کو روکا، اور ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دینا شروع کیا، تو لوگ آپ کے مخالف اور دشمن بن گئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سخت گستاخی کرنے لگے۔ اس سے صحابہ ؓ کو بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا: کیوں غمگین ہوتے ہو؟ اس لیے کہ اللہ نے میرا نام ہی ایسا رکھا ہے کہ اگر وہ گالی بھی دیں گے تو وہ گالی اور بدکلامی ان کے منہ پر جائے گی۔ مثلاً: جب وہ کہیں گے محمد اور اس کے بعد ان کو جو کہنا ہو کہیں گے، مگر محمد کے معنیٰ ہی یہ ہیں "مخلوق میں جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو" تو محمد کہہ کر پہلے میری تعریف کر دی اور بعد میں اگر برائی کرتے ہیں تو یہ برائی اور گالی انہیں پر واپس لوٹتی ہے۔ بعد والا کلام ان کے پہلے کلام کے منافی ہے۔ اور اگر پہلے میری برائی کریں، مثلاً: وہ کہتے "مذمم"، انہوں نے اس سے بچنے کے لیے آپ کا نام مذمم رکھا تھا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ لفظ کہا کرتے تھے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا نام تو مذمم ہے ہی نہیں، میرا نام تو محمد ہے، ان کے مذمم کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ وہ مذمم کو برا بھلا کہہ رہے ہیں، اللہ نے میرا نام احمد اور محمد رکھا ہے۔ آپ کو یہ شعر یاد ہوگا ـــــــ:

نام محمد ہے کیسا پیارا ہونٹوں کو بھی لذت ہوتی ہے
جب کہتے ہیں دل سے صل علیٰ دل کو تسلی ہوتی ہے

ہے نام میں کتنی شیرینی لے لو تو لب مل جائیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے سے ہونٹ ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں، اور جب آپ کی تعلیمات پر عمل کریں گے تو دل بھی مل جائیں گے۔

میدان محشر میں الحمدللہ کا مقام:

عرض کر رہا تھا کہ حمد اخیر میں ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایمان والا جب قیامت کے دن اٹھے گا، اور میدان محشر میں چلے، گا تو اس کے آگے آگے لا الٰہ الا اللہ ہوگا، اس لیے کہ یہ کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ قائد ہے، اسی پر ایمان کی بنیاد ہے۔ اس لیے یہ آگے آگے ہوگا۔ اور سیدھے ہاتھ، رائٹ ہینڈ (Right Hand) کو شرف ہے، اس لیے داہنی جانب اللہ اکبر ہوگا، اور بائیں جانب سے رذیل کام کیے جاتے ہیں، اس لیے بائیں جانب داہنی کے مقابل میں کم تر ہے، اس لیے بائیں جانب سبحان اللہ ہوگا، اور پیچھے الحمدللہ ہوگا۔ کیوں کہ حمد سب سے اخیر میں ہوتی ہے۔ تو چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اخیر میں تشریف لائے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے نام میں حمد کا مادہ رکھا، اور آپ کا نام نامی بھی احمد تجویز کیا۔

(فیض ابرار)

اس امت کا لقب حمادون:

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جو امت ہے، جس میں الحمدللہ ہم اور آپ ہیں، اس امت کا لقب امت حمادون ہے۔ اگلی کتابوں میں اس امت کا یہ لقب بیان کیا گیا ہے۔ حمادون یعنی اللہ کی حمد کرنے والی امت۔ اللہ تعالیٰ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم

کی بارگاہ میں ہم سب کی طرف سے لاکھوں لاکھ، ان گنت، بے شمار درود وسلام پہنچائے، اور اپنی شایان شان ہم سب کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جزائے خیر عطا فرمائے، کہ اپنی امت کو اللہ جل مجدہ کی حمد وثنا کرنے کے اتنے مواقع سکھائے، اور حمد کے ایسے ایسے الفاظ بتائے، کہ امت ہر وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد کرتی رہے۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، خلوت میں، جلوت میں، گھر میں، بازار میں، ہر وقت کی دعائیں امت کو سکھائیں۔ سواری پر سوار ہو رہے ہیں تو یہ دعا پڑھو، کھانے سے پہلے یہ دعا پڑھو، کھانے کے بعد یہ دعا پڑھو، سونے سے پہلے یہ دعا پڑھو، اور اٹھ کر اس طرح حمد کرو، پانی پیتے وقت یہ دعا پڑھو۔ سب دعاؤں کا خلاصہ اور ماحصل اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے۔ تو اس امت کا لقب امت حمادون ہے، اور یہ لقب صرف اس امت کو ملا ہے۔ پچھلی امتوں میں سے کسی کو یہ لقب نہیں ملا۔ آپ حضرات نے بارہا سنا ہوگا، اور کتابوں میں پڑھا بھی ہوگا، کہ پچھلی تمام امتوں کو ان کے نبی کے نام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور یوں کہا جاتا ہے کہ حضرت نوحؑ کی امت، حضرت عیسیٰؑ کی امت، حضرت موسیٰؑ کی امت وغیرہ وغیرہ؛ تو اگلی امتوں کو ان کے نبی کی طرف منسوب کر کے موسوم کیا جاتا ہے، مگر اس امت کا لقب امت حمادون ہے، اور ہم نے یہ ساری حمد وثنا ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد کرنے والے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، لہذا قیامت کے دن لواء الحمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں دیا جائے گا۔ یعنی جو لواء اور جھنڈا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جائے گا، اس کا نام بھی لواء الحمد ہوگا۔

ختم نبوت پر ایک دلیل:

سامعین کرام! جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آخری رسول و خاتم النبیین ہیں، اسی طرح یہ امت بھی آخری امت ہے۔ایک حدیث شریف میں فرمایا:

انا خاتم الانبیاء و انتم اٰخر الامم . او کما قال علیه الصلوٰۃ و السلام. (ابن ماجه)

[آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ کا آخری نبی ہوں، اور تم آخری امت ہو۔]

ایک جگہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ وَالَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ. (البقرة: ۲۱)

[اے لوگو! تم اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے تا کہ تم متقی بن جاؤ۔]

اگر ہمارے بعد بھی اور کوئی امت ہوتی تو اللہ تعالیٰ مذکورہ آیت میں "و من بعد کم" بھی فرماتے، یعنی ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے اور ان لوگوں کو پیدا کرے گا جو تمہارے بعد ہوں گے؛ مگر چونکہ اس امت کے بعد اور کوئی امت آنے والی ہی نہیں، لہذا "من بعد کم" نہیں فرمایا۔

غلام احمد قادیانی سے ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو یقیناً آخری نبی

ہیں، اور صرف آپ ہی نہیں بلکہ آپ کی امت بھی آخری امت ہے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور آپ کی امت خاتم الامم ہے۔

میں خیر الرسل ہوں، تم خیر امت ہو:

اور ایک مقام پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "انا خیر الرسل" میں تمام رسولوں میں سب سے بہتر ہوں، سب سے اعلیٰ مقام میرا ہے۔ اس قسم کے جملے حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف تحدیث نعمت اور حقیقت کے اظہار کے لیے فرماتے تھے۔ تو فرمایا:

انا خیر الرسل و انتم خیر الامۃ

[اور تم ساری امتوں میں سب سے بہتر امت ہو۔]

اس امت کا مقام:

اور کسی موقع پر میں نے بیان کیا تھا کہ: اگر دنیا کے تمام جمادات، پتھر، پہاڑ وغیرہ، اور سارے نباتات درخت وغیرہ کو ملا دیا جائے، اور ان تمام حیوانات کو ملا کر ان سے ایک انسان بنانا چاہیں تو ایک انسان نہیں بنا سکتے۔ اور سارے انسانوں کو ملا دیا جائے اور ان سے ایک مسلمان بنانا چاہیں تو مسلمان نہیں بنا سکتے۔ یعنی مسلمان کا مقام اس کو نہیں مل سکتا۔ اور حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک جتنی ایمان والی امتیں آئی ہیں، اور ان تمام امتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے، اور ایک جگہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک امتی ہو تو اس ایک امتی کا مقام پہلے ایمان والی امتوں سے بڑھ کر ہے۔ اللہ ہمیں اپنے مقام کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں اپنی حقیقت اور اپنا مقام معلوم نہیں۔

امت محمدیہ کی خصوصیات:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں اس امت کو جو مقام ملا ہے، وہ بہت ہی اعلیٰ اور بلند ہے۔ حضرت موسیٰؑ جن کا لقب کلیم اللہ ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے بار ہا ہم کلام ہوئے ہیں، اس لیے ان کا لقب کلیم اللہ ہے۔ بار ہا آپ کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا، آپ نے اللہ تعالیٰ سے کئی سوالات کیے، جب اللہ تعالیٰ جلال میں ہوتے تو زیادہ سوال نہیں کرتے، اور جب اللہ عز وجل جمال میں ہوتے تو سوالات کرتے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا: اے موسیٰ! میں نے ایک امت پیدا کی ہے، وہ امت سب سے اخیر میں آئے گی، لیکن جنت میں سب سے پہلے داخل ہوگی۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: کیا وہ میری امت ہوگی؟ فرمایا: نہیں، وہ میرے احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہوگی۔ پھر فرمایا: اے موسیٰ! میں نے ایک امت پیدا کی ہے جب وہ بلندی پر چڑھے گی تو اللہ اکبر کہے گی، اور جب وہ نیچے اترے گی تو سبحان اللہ کہے گی۔ موسیٰؑ نے فرمایا: اے میرے رب! کیا وہ میری امت ہے؟ فرمایا: نہیں، وہ میرے احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔ پھر فرمایا کہ اے موسیٰ! وہ نیکی کا ارادہ کرے گی، تو میں ایک نیکی کے بدلے دس نیکیوں کا اجر دوں گا، اور جب وہ گناہ کا ارادہ کرے گی تو گناہ نہیں ہوگا، جب تک کہ وہ گناہ نہ کرے۔ موسیٰؑ نے فرمایا: باری تعالیٰ! کیا وہ میری امت ہے؟ فرمایا: وہ آپ کی امت نہیں، وہ میرے احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس امت کو وہ فرائض دوں گا،

جو میں نے پچھلے انبیاءؑ کو دیے ہیں۔حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: کیا وہ میری امت ہے؟ فرمایا: نہیں، وہ میرے احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ اپنی نمازوں کے اوقات سورج سے معلوم کریں گے۔ ہماری پانچوں نماز کے اوقات کا تعلق سورج کے طلوع وغروب سے ہے۔اور فرمایا: وہ ایسی امت ہوگی کہ جب دین کے لیے، ایمان کے لیے اور جہاد کے لیے پکارا جائے گا کہ اللہ کی راہ میں جانے کے لیے کھڑے ہو جاؤ، اور چلے جاؤ، یہ سن کر وہ بیٹھے ہوں گے؛ مگر اس پکار کو سن کر وہیں سے کھڑے ہوں گے اور تلوار لے کر اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکل جائیں گے۔حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: کیا وہ میری امت ہے؟ فرمایا: نہیں، وہ میرے احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔تو جب حضرت موسیٰؑ نے اس امت کی تعریف کی یہ باتیں سنیں، تو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: اے اللہ! اس امت کا نبی مجھے بنا دیجیے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس امت کا نبی پہلے سے میں نے منتخب کر لیا ہے۔اگر ان کو منتخب نہ کرتا تو زمین وآسمان کو نہ بناتا اور دنیا کو نہ سجاتا، میں نے اس امت کے نبی کو ساری کائناتِ عالم کی تخلیق سے پہلے ہی منتخب کر لیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ کی ستاری اس امت کے ساتھ:

اور ایک عجیب بات آپ سے کہوں۔ ہم اس پر اللہ تعالیٰ کا جس قدر بھی شکر کریں کم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے ساتھ عجیب وغریب ستاری کا معاملہ فرمایا ہے۔آپ تفاسیر میں دیکھتے ہیں اور پڑھتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کی قوم نے نافرمانی کی تو

نوقسم کے عذاب ان پر آئے۔ حضرت نوحؑ کی قوم نے نافرمانی کی تو اللہ نے ان کو غرق کر دیا۔ لوطؑ کی قوم نے نافرمانی کی تو ان پر آسمان سے پتھر برسائے۔ قوم عاد نے نافرمانی کی تو اللہ نے ان پر ہوا کا عذاب بھیجا۔ کسی قوم پر مسخ صورت کا عذاب نازل ہوا تو کسی قوم کو زمین کے ساتھ آسمان پر اٹھا کر پھر اوندھا کر کے نیچے پھینک دیا گیا۔ غرض اگلی قوموں اور امتوں کے یہ تمام حالات ہمارے سامنے بیان کیے گیے ہیں، لیکن اس امت کے بعد اب کوئی امت ہی نہیں ہوگی کہ ان کے سامنے ہمارے سیاہ کرتوت اور بداعمالیاں بیان کی جائیں۔ ہمارے کاربد، ہمارے برے افعال کسی اور کے سامنے نہیں آرہے ہیں۔ غور کیجیے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ کس قدر ستاری کا معاملہ فرمایا ہے، اس پر ہم اللہ کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بلاواسطہ خطاب فرمایا:

اور اس امت کا مقام اتنا اونچا ہے کہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ڈائریکٹ ہے، بلا واسطہ اللہ تعالیٰ اس امت سے خطاب فرماتے ہیں۔ دیکھو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ. (البقرۃ: ۴۷)

[اے بنی اسرائیل! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی تھیں، اور (یاد کرو) میں نے تم کو دنیا جہاں والوں پر خاص فضیلت دی۔]

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا، مگر درمیان میں ان نعمتوں کا ذکر فرمایا

جو اللہ نے ان پر کیں تھی، اور جب اس امت کو خطاب فرمایا تو بلا واسطہ تذکرہ فرمایا، وہاں تو نعمت کا تذکرہ فرمایا، یہاں نہیں فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ. (البقرة: ۱۵۲)

تم میرا ذکر کرو میں اس سے بہتر مجمع میں تمہارا ذکر کروں گا، اور میرا شکر کرو، میری ناشکری مت کرو۔

(معارف القرآن)

مقام محمود:

تو دنیا میں آپ کا نام مبارک احمد اور محمد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود عطا فرمائیں گے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوداً. (سورۂ بنی اسرائیل: ۷۹)

[امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود عطا فرمائیں۔] مقام محمود یہی اعلیٰ مقام ہے، اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ مقام محمود، مقام شفاعت ہوگا۔ قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو طرح شفاعت فرمائیں گے۔ ایک شفاعت کا نام ہوگا: 'شفاعت کبریٰ' اور ایک کا نام ہوگا: 'شفاعت صغریٰ'۔

بخاری شریف کی ایک بہت طویل روایت ہے، میں اس کو بہت اختصار کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: قیامت کا دن ہوگا، میدان محشر میں لوگ نفسی نفسی کے عالم میں ہوں گے، ہر ایک پر عجیب کیفیت طاری ہوگی۔ بس وہی لوگ راحت میں ہوں گے جن کو عرش الٰہی کا سایہ نصیب

ہوگا۔اللہ ہم سب کو قیامت کے دن اس کے عرش کا سایہ نصیب فرماوے، آمین۔ایک طویل زمانہ اس حالت میں گذرے گا۔وہاں کا ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔

ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ. (السجدہ:۵)

[تمام اعمال اللہ کے حضور پیش ہوں گے ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہوگی۔]

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ.﴾ قیامت کا ایک دن ہمارے ابھی کے دنوں کے حساب سے ایک ہزار دن کے برابر ہوگا۔لوگ اپنے اپنے گناہ کے اعتبار سے پسینہ میں غرق ہوں گے۔کسی کا پسینہ قدم تک،کسی کا پنڈلی تک، کسی کا کمر تک، تو کسی کا بالکل گلے تک ہوگا۔"اللّٰھم احفظنا منه" ایک طویل زمانہ گذر جائے گا، مگر کوئی حساب کتاب شروع نہ ہوگا۔اور اس وقت اللہ تعالیٰ بہت جلال میں ہوں گے، اللہ رب العزت بہت غضبناک ہوں گے۔اعلان ہوگا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ [بتلاؤ! آج کس کی حکومت ہے۔] زمین کے ایک ٹکڑے کے لے تم لڑتے تھے، بم گراتے تھے، اور انسانوں کو قتل کرتے تھے۔ہٹلر کا باپ بھی جواب نہ دے پائے گا۔پھر اللہ تعالیٰ خود فرمائیں گے: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ.﴾ (المؤمن:۱۶) [اس خداوند قدوس کی آج حکومت ہے جو اپنی ذات میں اور اپنی صفات میں اکیلا ہے۔اور اس کی ایک صفت قہار ہے۔] جو اس کے نافرمان اور باغی ہیں، آج ان پر اس کا قہر برسنے والا ہے، اعلان ہوگا: "این الجبارون، این المتکبرون، این الظالمون؟" کہاں ہیں سرکش؟ کہاں ہیں متکبر؟ کہاں ہیں ظالم؟ سب خاموش ہوں گے، بالکل سناٹا ہوگا۔

میدان محشر میں لوگوں کا انبیاء کی خدمت میں حاضر ہونا:

سب کہیں گے کہ: اس میدان میں کھڑے کھڑے تھک گئے، اب تو کچھ کرو۔ سب ایک دوسرے سے بات کریں گے۔ او داڑھی والو! او عمامہ والو! او نمازیو! اٹھو اور آپ لوگ کچھ کرو۔ سب کہیں گے کہاں جائیں؟ کیا کریں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ مشورہ کر کے سب کہیں گے بابا آدمؑ کے پاس چلو۔ آدمؑ کی خدمت میں پہنچیں گے، اور کہیں گے: آپ ہمارے باپ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا فرمایا، آپ کو مسجود ملائکہ بنایا، آپ بارگاہ الٰہی میں عرض کیجیے کہ ہمارا حساب کتاب شروع فرما دیں، تا کہ یہاں کا یہ معاملہ ختم ہو جائے۔ حضرت آدمؑ فرمائیں گے: نہیں میرے بیٹو! آج میری ہمت نہیں کہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کچھ عرض کروں، اگر اللہ نے مجھ سے پوچھ لیا کہ اے آدم! میں نے تم کو اس درخت کے قریب جانے سے منع کیا تھا، پھر تم کیوں اس کے قریب گئے تھے؟ اور کیوں اس میں سے کھایا تھا؟ تو میں کیا جواب دوں گا؟ اگرچہ یہ معاف ہو چکا ہے۔ آدمؑ فرمائیں گے:

الیوم غضب ربی لم یغضب قبله و لم یغضب بعده

[آج میرا رب بہت جلال میں ہے، ایسے جلال میں نہ آج سے پہلے ہوا اور نہ آج کے بعد ہوگا۔] میرے بچو! آج میری ہمت نہیں ہے، مجھے معاف کر دو۔ پھر لوگ کہیں گے کہ: حضرت نوحؑ کے پاس جاؤ۔ وہ لوگ وہاں جائیں گے، اور کہیں گے کہ آپ تو آدم ثانی ہیں، اللہ نے سب مخلوق ختم کر کے آپ کے ذریعہ دوبارہ دنیا کو بسایا تھا۔ حضرت نوحؑ کہیں گے: نہیں، آج میری ہمت نہیں ہے۔ نوحؑ فرمائیں گے:

الیوم غضب ربی لم یغضب قبلہ و لم یغضب بعدہ

آج میرا رب بڑے جلال میں ہے، نہ اس سے پہلے ایسے جلال میں تھا اور نہ بعد میں ایسے جلال میں ہوگا، اگر مجھ سے پوچھ لیا کہ اے نوح! تم نے تمہارے کافر بیٹے کے بارے میں سفارش کیوں کی تھی؟ تو میں کیا جواب دوں گا؟ البتہ آپ لوگ حضرت ابراہیمؑ کے پاس جاؤ۔ یہ لوگ وہاں جائیں گے، تو حضرت ابراہیمؑ بھی عذر کر دیں گے: میری ہمت نہیں ہے۔ پھر حضرت موسیٰؑ کے پاس جائیں گے، اور کہیں گے اللہ نے آپ کو کلیم اللہ بنایا، آپ تو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں، آج اللہ تعالیٰ سے کہو کہ ہمارا حساب کتاب شروع فرمادیں۔ موسیٰؑ بھی انکار فرمائیں گے، کہ میری ہمت نہیں ہے۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کے پاس آئیں گے۔ حضرت عیسیٰؑ کہیں گے: آج اللہ کے سامنے بولنے کی کسی کی ہمت نہیں ہے۔ اگر آج کوئی اللہ تعالیٰ سے کچھ عرض کرسکتا ہے تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ان کے پاس جاؤ۔

اب آج نوجوانوں نے یہ حدیث سنی، اب وہ کہیں کہ یہ حدیث تو آج ہم نے سن لی ہے کہ، آدمؑ کے پاس جاؤ، نوحؑ کے پاس جاؤ، موسیٰؑ کے پاس جاؤ، ہم تو ڈائریکٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے جائیں گے، اتنے سال تک ادھر ادھر کیوں گھومتے پھریں۔ مگر وہاں کسی کو یاد نہیں آئے گا، وہاں اللہ تعالیٰ سب کچھ بھلوا دے گا۔

اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ظاہر کرنا چاہتے ہیں:

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بتانا چاہتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو یہ بھی ہوسکتا تھا، کہ ڈائریکٹ سب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آجاتے،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیتے ،مگر پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام کسی کو معلوم نہ ہوتا، کہ آج کے دن بڑے بڑے نبی بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونے کی ہمت نہ کر سکے، اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مرتبہ عطا فرمایا کہ آج آپ تمام انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش کر رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گر جائیں گے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی بارگاہ الٰہی میں پہنچ کر عرض نہیں فرمائیں گے: کہ اے اللہ! ان کا حساب کتاب لے لیجیے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گر جائیں گے۔ کتنا بڑا سجدہ کریں گے، ایک گھنٹہ؟ دو گھنٹے؟ ایک دن، دو دن؟ بخاری شریف کی روایت ہے: **"ماشاء اللّٰہ کان"** جب تک اللہ چاہیں گے آپ سجدہ میں رہیں گے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں اس سجدہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا، اور ایسی حمد کروں گا کہ پورے جہاں والوں نے ایسی حمد وثنا نہیں کی ہوگی، نہ کسی ملک مقرب نے، نہ کسی پیغمبر نے، نہ کسی انسان نے، اور یہ بات بھی نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ حمد وثنا آج یاد کر لی ہے، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کہ اس دن اللہ کی جو حمد وثنا کروں گا وہ مجھے آج معلوم بھی نہیں ہے۔ **"لا اعلمہ الآن"** اللہ تعالیٰ اس وقت میرے قلب میں ڈالیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی "احمد" ہے، اس کا مکمل ظہور میدان محشر میں اس سجدہ میں ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد وثنا کریں گے، کہ اس سے پہلے کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد وثنا نہ کی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کو پیار آجائے گا:

اور ایسا طویل سجدہ ہوگا، اور ایسی حمد ہوگی، کہ اس پر اللہ تعالیٰ کو پیار آجائے گا، اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت کی عظمت اور جلال کے پیش نظر یہ حکمت اختیار فرمائیں گے، کہ زبان سے کچھ نہیں کہیں گے، سجدہ میں گر جائیں گے۔

ہمارے ایک استاذ تھے حضرت مولانا شیخ احمد اللہ صاحب راندیریؒ، اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائے۔ وہ ایک مثال دیتے تھے کہ کوئی بہت بڑا آدمی ہو، اور اتفاق سے ان کے پڑوس میں یا محلّہ میں کسی جگہ جھگڑا ہو جائے، مثلاً میاں بیوی میں جھگڑا ہونے لگے۔ یہ صاحب وہاں جا کر کہیں کہ یہ کیا لگا رکھا ہے؟ تو وہ غصہ میں کہہ دے گا: جاؤ! اپنا کام کرو۔ تو اس وقت کیا عزت رہے گی؟ لیکن اگر اس وقت آپ حکمت سے کام لیں، جا کر صرف کھڑے ہو جائیں، زبان سے کچھ نہ کہیں۔ آپ کا رعب پڑے گا، اور پھر خود وہ کہے گا، حضرت آپ کیوں تشریف لائے، آپ نے کیوں تکلیف فرمائی؟ پھر آپ کہیں: کہ یہ کیا لگا رکھا ہے، کیا شریف لوگ اس طرح لڑتے ہیں، کیا یہ اچھی بات ہے؟ تو وہ دونوں آپ کی بات سنیں گے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گر جائیں گے، اور حمد کریں گے، تو اللہ کی رحمت کو جوش آجائے گا۔ بخاری کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے **"یا محمد ارفع راسک"** اے میرے محبوب سر تو اٹھایئے، بڑا لمبا سجدہ کیا ہے **"وقل تسمع واشفع تشفع و سل تعطه"** کہیے کیا کہنا ہے؟ آپ کی بات سنی جائے گی، شفاعت کیجیے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، اور مانگیے آپ کو عطا

کیا جائے گا۔ اللہ کا خزانہ بہت بڑا اور میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ بہت بڑا ہے، اللہ کو دینا آتا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لینا آتا ہے، وہ دیتے نہیں تھکتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیتے نہیں تھکتے۔ الفاظ یاد رکھیے، توحید بھی محفوظ رہے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: آپ سوال کیجیے ہم عطا کریں گے، دینے والی ذات کون سی ہے؟ اللہ تعالیٰ کی۔

اللہ تعالیٰ ہی مختار کل ہیں:

اور اللہ تعالیٰ آپ کو شفاعت کا حکم دیں گے۔ فرمائیں گے: "واشفع تشفع" [آپ سفارش کیجیے آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔] اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختار کل نہیں ہیں، مختار کل اللہ تعالیٰ ہیں۔ اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مختار کل مانے کہ جس کو چاہیں پکڑ کر جنت میں داخل فرمادیں، تو پھر "واشفع تشفع" کا کیا مطلب ہوگا؟ اس حدیث پاک سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ شفاعت کا حکم دیں گے، اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے۔ (بخاری شریف)

یہ ہے مقام محمود:

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے: اے اللہ! ان کا حساب کتاب شروع فرما دیجیے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: چلو ان کا حساب کتاب شروع کرتے ہیں۔ چنانچہ حساب کتاب شروع ہوگا، میدان محشر میں حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت تک کے سب انسان جمع ہوں گے، کتنا بڑا مجمع ہوگا، سب لوگ بیک زبان کہیں گے جزاکم اللہ، جزاکم اللہ، آفریں!! آپ نے ہمارا مسئلہ حل کر دیا۔ آدمؑ سے لے کر قیامت تک کے تمام لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گن گائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا نام

''محمد'' ہے، سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کریں گے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر حساب کتاب شروع ہوگا، آپ کی شفاعت پوری انسانیت کے لیے ہوگی، کافر مسلمان تمام اس مجمع میں ہوں گے، تمام کو اس شفاعت سے فائدہ ہوگا، اور میدان محشر کی تکلیفوں سے چھٹکارا ملے گا۔ یہ ہے مقام محمود، اور اسی کو شفاعت کبریٰ بھی کہتے ہیں۔

سب سے پہلے جانوروں کا حساب ہوگا:

اس کے بعد میزان قائم کی جائے گی۔ سب سے پہلے جانوروں کا حساب ہوگا۔ اگر سینگ والی بکری نے بے سینگ والی بکری کو مارا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو سینگ دیں گے کہ بدلہ لے لو۔ جب ان کا حساب ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے مٹی بن جاؤ، سب مٹی بن جائیں گے اس لیے کہ ان کے لیے جنت جہنم نہیں ہے۔ اس وقت کافر یہ کہے گا کہ کاش میں بھی مٹی ہو جاتا:

وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا. (النبا: ۴۰)

[کاش میں بھی جانور ہوتا تو آج مٹی بن جاتا، اور عذاب سے بچ جاتا، لیکن میرا تو اب حساب کتاب ہوگا۔]

اللہ تعالیٰ چٹکی میں حساب لے لیں گے:

اس کے بعد اللہ تعالیٰ حساب کتاب لیں گے، اور اللہ تعالیٰ چٹکی میں حساب لے لیں گے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ.﴾ اور جنتی جنت میں جائیں گے، اور جہنمی جہنم میں جائیں گے۔

ستر ہزار بلاحساب جنت میں جائیں گے:

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ ترمذی کی روایت ہے، اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت کے ستر ہزار آدمی بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے، یہ حدیث شریف بیان فرما کر آپ اندر تشریف لے گئے، اور نہ تو صحابہ کرامؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہوں گے؟ اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی اس کی وضاحت فرمائی۔ (اب صحابہ کرامؓ کے درمیان اس موضوع پر گفتگو ہونے لگی، یہ کون حضرات ہوں گے؟ جو بغیر حساب کتاب جنت میں داخل ہوں گے؟) بعض صحابہ نے کہا: یہ لوگ ہم ہی ہیں؛ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بلا واسطہ ایمان لائے، اور آپ کی خدمت وصحبت سے مشرف ہوئے، اور کبھی کفر وشرک میں ملوث نہیں ہوئے۔ بعض صحابہ کرامؓ نے کہا: یہ ان لوگوں کی اولاد ہے جو فطرت اسلام پر پیدا ہوئے، اور کبھی کفر وشرک میں ملوث نہیں ہوئے، یہ باتیں چل رہی تھیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں لگواتے، جھاڑ پھونک نہیں کراتے، شگون نہیں لیتے، اور اپنے رب پر کامل توکل کرتے ہیں، یہ سن کر ایک صحابی جن کا نام عکاشہ بن محصن تھا کھڑے ہوئے، اور عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ان میں شامل ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وانت منهم" ہاں! تم انہی میں سے ہو، تو ایک اور صحابی نے عرض کیا کہ میں بھی ان میں ہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سبقک بها عکاشه" وہ ایک

خاص گھڑی قبولیت کی تھی، اس میں عکاشہ تم سے سبقت لے گئے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا یہ ارشاد گرامی ''سبقک بها عکاشه'' کسی کام میں پہل کرنے والے کے لیے ضرب المثل بن گیا۔ (الاصابہ)

اب یہاں دل میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاشہ کے لیے تو ان ستر ہزار میں داخل ہونے کی دعا فرما دی، اور ان کو اس کی بشارت بھی عطا فرما دی، دوسرے صحابی نے جب یہی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سبقک بها عکاشه'' ان کے لیے دعا کیوں نہیں فرمائی؟ اس کا جواب شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ یہ دیتے تھے، نمبر ایک یہ دوسرا شخص منافق ہوگا، لیکن یہ جواب کمزور ہے، کیوں کہ ایسی درخواست کسی منافق بے ایمان کی طرف سے نہیں ہو سکتی۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ اگر دوسرے کے لیے بھی دعا فرما دی جاتی تو تیسرا کھڑا ہو جاتا، پھر چوتھا پھر پانچواں، اس طرح ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سلسلہ شروع ہونے سے پہلے ہی اس کو بند کر دیا۔ ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عکاشہؓ نے جب درخواست کی تھی، وہ قبولیت کا خاص وقت خاص گھڑی ہو، دوسرے صاحب نے جب درخواست کی تو وہ خاص وقت گذر چکا تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں عکاشہ سبقت لے گئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عکاشہ ؓ کی درخواست تو بے ساختہ تھی، ان کے بعد درخواست کرنے والے میں وہ بات نہیں پائی جاتی تھی، یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عکاشہ ؓ تو ان صفات کے ساتھ کامل طور پر متصف تھے جو اس جماعت کے داخلہ کے لیے شرط ہیں، ممکن

ہے دوسرے صاحب میں یہ صفات اس درجہ کی نہ پائی جاتی ہوں، واللہ اعلم بالصواب۔

بہرحال ستر ہزار لوگوں کی یہ شان ہوگی کہ وہ بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا اور تمہارا شمار ان لوگوں میں فرما دیوے۔

(بخاری، مسلم۔ مشکوٰۃ:۲/۴۵۲)

حساب یسیر:

پھر حساب شروع ہوگا۔ قرآن پاک میں ہے:

یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. (المطففین: ٦)

[جس دن تمام رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے] سب کی پیشی ہوگی، کوئی بھی نہ بچے گا۔ سب کو حساب دینا ہے، اور وہاں نہ کوئی وکیل ہوگا، نہ کوئی ترجمہ کرنے والا ہوگا۔ ہر ایک کو براہ راست، ڈائریکٹ اللہ سے کلام کرنا پڑے گا۔

(بخاری:۲/۹۴۸)

وہ کیسا وقت ہوگا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تزال قدما ابن آدم حتی یسئل عن خمس

[ابن آدم کا قدم اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکے گا، جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ ہو جائے۔]

عن عمرہ فیما افنیٰ و عن شبابہ فیما ابلیٰ و عن مالہ من این اکتسبہ و فیما انفقہ و عن عملہ بما عمل بہ. او کما قال علیہ الصلوٰۃ و السلام.

(مشکوٰۃ:۲/۴۴۳)

[کہ اللہ نے زندگی دی تھی؛ وہ زندگی کہاں خرچ کی؟ جوانی کہاں خرچ کی؟ مال کہاں سے کمایا؟ اور اس کو کہاں خرچ کیا؟ اور جو علم تھا اس پر کتنا عمل کیا؟]

یہ پانچ سوال تو بہت مختصر ہے، مگر جواب کے لیے دفتر کے دفتر درکار ہوں گے، پوری زندگی کا حساب کتاب دینا ہوگا۔ ہر ایک کو اللہ کے سامنے ان پانچ چیزوں کا حساب کتاب دینا ہوگا۔ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ پاک ہمارا حساب نہ لیوے، اور اگر حساب لیوے تو آسان حساب لیوے، حساب یسیر لیوے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ بِیَمِیْنِهٖ. فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا.

(الانشقاق:۷،۸)

[جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا، سو اس سے آسان حساب لیا جاوے گا۔]

دنیا میں کبھی چیکنگ ہوتی ہے؛ کسٹم میں یا اور کسی موقع پر تو بعض مرتبہ بس اوپر سے جلدی جلدی دیکھ لیا اور کہہ دیا چلو چلو جاؤ، یہ حساب یسیر کا نمونہ ہے۔ اور بعض مرتبہ کوئی سخت آدمی ہوتا ہے، اور سخت چیکنگ ہوتی ہے، تو پھر ایک ایک چیز دیکھی جاتی ہے، تو اس وقت آدمی کو گھبراہٹ ہوتی ہے، حالاں کہ تھیلے میں اور بیگ میں کوئی بھی چیز نہیں ہے، مگر پھر بھی گھبراتا ہے۔ قیامت کے دن زندگی کی ایک ایک چیز کا حساب ہوگا۔ سب چیزیں نامۂ اعمال میں محفوظ ہیں۔ اس وقت کیا ہوگا؟!! اللہ تعالیٰ ہی آسان حساب لے لیں تو بیڑا پار ہو سکے گا۔ حضرت مولانا احمد اللہ صاحب راندیریؒ سے ایک مجلس میں، میں نے خود سنا ہے کہ علامہ اقبالؒ نے اپنی زندگی میں ایک شعر کہا ہے اور غضب کا شعر کہا ہے۔

علامہ اقبالؒ کا ایک عجیب شعر:

مولانا الیاس صاحبؒ بانی تبلیغ بڑے مستجاب الدعوات بزرگوں میں سے ہوئے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ پتہ نہیں اقبال کے اس شعر نے اقبال کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا

ہوگا،اور عجیب شعر کہا ہے۔فرمایا ـــــ:

تو غنی ہر دو عالم من فقیر
روز محشر عذرہائے من پذیر
گر تو می بینی حسابم ناگزیر
از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

فرماتے ہیں:[اے میرے رحیم وکریم ومولیٰ! تو دونوں عالم کی ہر چیز سے بے نیاز ہے، تجھے کسی چیز کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن یہ کمزور، بے سہارا بے نوا بندہ دنیا اور آخرت میں تیرا ہر جگہ محتاج ہے۔اے کریم مولیٰ!اس گنہگار کی عاجزانہ درخواست ہے کہ قیامت کے دن میرے گناہوں کی پکڑ نہ فرمانا، اگر میرا حساب ہی لینا ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حساب نہ لینا۔] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رسوا نہ کرنا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے کتنی کتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں، اب اگر میری پکڑ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میری رسوائی ہوئی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤں گا۔اس لیے اے باری تعالیٰ! اول تو میرا حساب ہی نہ لینا، اگر لینا ہی پڑے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ لینا۔بہر حال حساب کتاب شروع ہوگا۔ جنتیوں کے لیے جنت کے اور جہنمیوں کے لیے جہنم کے فیصلے ہو جائیں گے۔

شفاعت صغریٰ:

جب جہنمیوں کے لیے جہنم کے فیصلے ہو جائیں گے، اب دوبارہ آپ اللہ تعالیٰ

سے سفارش کریں گے، کہ میری امت کے جو ایمان والے اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں گئے ہیں، آپ انہیں معاف کر دیجیے، اور ان کے لیے جنت کا فیصلہ کر دیجیے، اللہ تعالیٰ ہمارے نبی ﷺ کی درخواست منظور فرمائیں گے، اس کو شفاعت صغریٰ کہتے ہیں، اس شفاعت سے اسے ہی فائدہ ہوگا جو ایمان والا ہو۔

حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

شفاعتی لاھل الکبائر من امتی.

(مشکوۃ شریف: ۲/۴۹۴)

قیامت کے دن میری امت کے جو گنہگار ہیں ان کے لیے بھی میری شفاعت ہوگی بہ شرطیکہ ایمان والا ہو، یہاں شفاعت سے شفاعت صغریٰ مراد ہے۔

اللہ سے ایسا تعلق ہو کہ اس میں کوئی شامل نہ ہو:

دیکھو! ایک بڑے کام کی بات یاد آ گئی۔ سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ محبوب سبحانی، شیخ یزدانی، قطب ربانی، چہرہ نورانی، سینہ میں آیات قرآنی اور یہ سب اللہ کی مہربانی۔ آپ فرماتے ہیں: زندگی میں اس پر عمل کرلو اور اسے اپنی زندگی کا جزو لاینفک بنا لو، آپ فرماتے ہیں کہ ”جب تمہارا اللہ سے تعلق ہو ایمان کا، وہ تعلق ایسا ہو کہ کوئی مخلوق اس میں شامل نہ ہو“ اللہ ہی رزق دیتا ہے، کسی غیر اللہ سے رزق مانگنا حرام ہے۔ اللہ ہی عزت دیتا ہے، کسی غیر اللہ سے عزت مانگنا حرام۔ ہماری مشکلات کو دور کرنے والا اللہ ہی ہے، اگر کوئی غیر اللہ سے مشکل سے نجات طلب کرے، کوئی پیر سے مانگے، زندہ ولی ہو یا کوئی اللہ کا ولی دنیا سے جا چکا ہو، اس کے سامنے جا کر سجدہ کرے، کہ میری فلاں حاجت پوری کر دے، فلاں مشکل دور کر دے، مجھے بیٹا دے دے، مجھے نوکری پر لگا دے، یہ سب

باتیں حرام ہیں۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں اگر ہم پڑھیں، ان کی تعلیم توحید پر اتنی سخت ہے، منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر کہتا ہوں، میں نے نو سال تک اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا ہے، پھر بھی جب میں ان کی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں تو میرا دل کانپتا ہے کہ ایمان والا ہوں یا نہیں؟ ان کی کتابوں میں لکھا ہے: ''اگر تیرے دل میں ذرہ برابر غیر اللہ سے کوئی امید وابستہ ہے کہ اس سے بھی میرا کام ہو جائے گا، اور پھر تو دعویٰ کرے کہ میں مؤمن ہوں تو تیرا دعویٰ غلط ہے۔'' تیرے اندر ایمان کہاں ہے، تو تو غیر اللہ سے امید لگائے بیٹھا ہے؟ تمام امیدیں اللہ سے وابستہ ہونا چاہیے۔ تمام امیدوں کا مرکز تو اللہ کی ذات عالی ہے۔ غیر اللہ سے امید کیسی؟ تو شیخ عبد القادر جیلانیؒ فرماتے ہیں: ''جب اللہ سے تیرا تعلق ہو وہ تعلق ایسا ہو کہ کوئی اس میں شامل نہ ہو، حتی کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات ہیں ان میں بھی وہ یکتا ہے، انبیاءؑ بھی ان میں شامل نہیں ہے، اور تمام انبیاء کے سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل نہیں ہیں۔'' تو اللہ سے ایسا تعلق ہو کہ اس میں کوئی شامل نہ ہو۔

بندوں سے ایسا تعلق ہو کہ اس میں نفس شامل نہ ہو:

''اور بندوں کا بندوں سے تعلق ہو،'' ہمارا ایک دوسرے سے تعلق ہوتا ہے، ''اس میں نفس شامل نہ ہو۔'' لہذا اپنے اوپر اگر کسی کا کوئی حق ہو تو اس کو ادا کر دو۔ کسی کو تکلیف پہنچی ہو تو اس سے معافی مانگ لو۔ اس میں نفس کا دخل نہ ہونے دو۔ میری ناک، میری عزت، اس کو بیچ میں نہ لاؤ، چھوٹے بن جاؤ، اور جو کچھ ہو معاملہ بالکل صاف کر لو۔ اسی طرح کسی سے کچھ سلوک کرو اس میں بھی نفس کو شامل نہ کرو، صرف رضائے الٰہی کے لیے

سلوک کرو، کسی سے تعلق ہوتو وہ بھی صرف اللہ کے لیے ہو، جس کو ''الحب فی اللہ'' کہتے ہیں۔ شیخ نے کتنی عمدہ بات فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ اس پر ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

جو شخص شرک نہ کرے گا اس کو آپ کی شفاعت نصیب ہوگی:

تو میں ذکر کررہا تھا کہ ایمان کے بغیر شفاعت نہیں ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج میں تشریف لے گئے تو وہاں سے آپ کو تین تحفے ملے۔ ۱...... پانچ نمازیں۔ ۲...... سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں۔ ۳...... اور تیسرا تحفہ اور عطیہ عنایت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جو شخص آپ کی امت میں سے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے کبائر سے درگذر فرمائے گا، اور اس کو کافروں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں نہ ڈالے گا اور آپ کی شفاعت اس کو نصیب ہوگی۔

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ شریف: ۲/۵۲۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ عید الاضحیٰ کے موقع پر دو مینڈھے ذبح فرمائے، ایک اپنی طرف سے اور دوسرا مینڈھا ذبح کیا اور فرمایا: یہ میری امت کے ہر ایمان والے کی طرف سے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی طرف سے قربانی بھی کی ہے۔ رہا وہ شخص جو شرک کرے گا، اس کی بخشش نہیں ہوگی۔ قرآن نے صاف اعلان کر دیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ.

(النساء: ۴۸)

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا.

(طٰہٰ: ۱۰۹)

[اس دن کسی کو شفاعت فائدہ نہ دے گی، مگراسی کے لیے جس کے لیے رحمٰن کی اجازت ہو، اوراس کے لیے بولنا پسند کیا ہو۔] اورشفاعت کی اجازت اسی کے لیے ہوگی جوشرک نہ کرتا ہو۔ شفاعت کے لیے ایمان شرط ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے: حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ و السلام اپنے والد کے بارے میں اللہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے۔ آپ کے والد بت پرست تھے، بلکہ بت تراش تھے۔ دیکھیے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کس قدر جلیل القدر پیغمبر ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کا مقام:

روایات میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انبیاء کرام میں سب سے اونچا مقام حضرت ابراہیمؑ کا ہے، لیکن بھائی......!

ایمان اللہ کی دین ہے:

دین تو اللہ ہی کا ہے۔ جسے چاہیں ایمان دے دیں۔ اسی کو صاحب گلزار ابراہیمؒ فرماتے ہیں ــــــ:

اہلیۂ لوطِ نبی ہووے کافرہ
زوجۂ فرعون ہووے طاہرہ
لاوے بت خانے سے وہ صدیق کو
کعبہ میں پیدا کرے زندیق کو
زادۂ آزر خلیل اللہ ہو
کنعان نوح کا گمراہ ہو

بت تراش آزر کے گھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیدا کردے، یا فرعون جیسا ظالم جو ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ کا دعویٰ کرے، اس کی بیوی آسیہ کو ایمان کی دولت دے دے۔ اور لوط علیہ السلام نبی ہیں ان کی بیوی کافرہ بن جائے۔ تو یہ اللہ کی دَین ہے، جس کو اللہ کی طرف سے مل جائے۔ ہم کو اللہ نے ایمان کی دَین عطا فرمائی ہے، ہم اس پر اپنے رب کا کروڑ ہا کروڑ شکر ادا کرتے ہیں، اور اللہ پاک ہی سے اس پر استقامت اور حسن خاتمہ کی دعا کرتے ہیں۔ الحمد للہ علیٰ نعمة الایمان والحمد للہ علی نعمة الاسلام.

تو ابراہیمؑ قیامت کے دن اپنے رب سے کہیں گے: باری تعالیٰ آج میری کتنی بڑی رسوائی ہے، کہ میرا باپ جہنم میں جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ہم تم کو رسوا نہیں کریں گے، آپ اپنے قدم کی طرف دیکھو۔ وہ قدم کی طرف دیکھیں گے کہ ایک بجّو ہے، یہ ایک جانور ہے۔ تو اللہ ان کے والد کو بجّو کی شکل میں بنا کر جہنم میں ڈالیں گے۔
(بخاری شریف: ۱/۴۷۳)

اور ابو طالب جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیالیس (۴۲) سال تک خدمت کی، لیکن ایمان نصیب نہیں ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عذاب میں تخفیف فرمادیں گے لیکن ہوں گے جہنم میں۔ تو شفاعت کے لیے ایمان شرط ہے۔ اب ایمان کے ساتھ اس کے پاس گناہوں کے انبار ہیں، ایک نماز نہیں پڑھی، کبھی قرآن کی تلاوت نہیں کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: بڑے سے بڑے گنہگار کے لیے میں شفاعت کروں گا۔ ”**شفاعتی لاهل الکبائر من امتی**“ (مشکوۃ: ۲/۴۹۴) [میری امت کے جو اہل کبائر ہیں، بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شفاعت فرمائیں گے۔] حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم کا ایک لقب ہے **"شفیع المذنبین"** گنہگاروں کی شفاعت کرنے والے۔

ایک حدیث شریف میں حضرت عوف بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میرے پروردگار کے پاس سے ایک آنے والا آیا (فرشتہ) اور مجھے اختیار دیا کہ دوصورتوں میں سے ایک صورت قبول کر لیجیے۔ ایک تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصف امت جنت میں داخل ہو، دوسری شفاعت۔ میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا، مگر یاد رہے! میری شفاعت کا حقدار وہ ہے، جو ایسی حالت میں مرا ہو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو۔

(ترمذی شریف:۲/۶۷)

انبیاء، شہداء، علماء اور حفاظ کی شفاعت:

پھر انبیاءؑ شفاعت کریں گے، اور کتنے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت سے جنت نصیب فرمائیں گے۔ پھر شہداء اٹھیں گے۔ ایک حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عالم سے کہا جائے گا کہ شفاعت کرو، تو عالم شفاعت کرے گا اپنے شاگردوں کی، اگر چہ ان کی تعداد آسمان کے ستاروں کے برابر ہو۔ ایک شہید کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ اس کے خاندان کے ستر آدمیوں کو جنت نصیب فرمائیں گے۔ اور میرے دوستو! اپنی اولاد میں سے کسی ایک کو حافظ قرآن بھی بنا لو، ایک بچہ اگر حافظ بن گیا؛ تو اللہ تعالیٰ اس حافظ کی شفاعت سے اس کے خاندان کے ایسے دس آدمیوں کو جنت عطا فرمائیں گے، جن کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔ **"قد وجبت لهم النار"** اس کے ماں باپ کو نور کا تاج پہنایا جائے گا، جس کی روشنی چاند اور سورج سے زیادہ ہوگی۔ تو حافظ قرآن کا کیا حال اور کیا مقام ہوگا؟ اولاد میں کوئی نہ بن

سکے، یا اب موقع نہ ہو تو پوتوں، نواسوں میں سے کسی کو بناؤ۔

ایک مرتبہ کھانا کھلانے پر شفاعت:

یہاں تک کہ حضرت انسؓ سے ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخی صف باندھ کر کھڑے ہوں گے، ایک جنتی اس کے پاس سے گذرے گا، دوزخی کہے گا: اے فلاں شخص! تو مجھے پہچانتا نہیں ہے، میں نے تجھ کو ایک بار پانی پلایا تھا۔ ایک دوسرا کہے گا: میں نے تجھ کو ایک بار وضو کے لیے پانی دیا تھا، وہ اس کی سفارش کرے گا اور اس کو جنت میں داخل کرائے گا۔
(رواہ ابن ماجہ، مشکوۃ:۲/۴۹۴)

چنانچہ اللہ تعالیٰ اس جنتی کی شفاعت سے اس جہنمی کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کہ غرباء اور فقراء سے تعلق رکھو، ان کا خیال کرو۔ کیا معلوم کس کی شفاعت سے ہمارا کام بن جائے اور بیڑا پار لگ جائے۔

عتقاء الرحمٰن:

پھر اللہ تعالیٰ انبیاءؑ سے کہیں گے: جاؤ! جہنم میں دیکھو، جو بھی ایمان والا ہو اس کو جہنم سے نکال کر لے آؤ، اور جنت میں لے جاؤ۔ انبیاءؑ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ کر دیکھیں گے، اور پھر بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے، اے اللہ! اب تو جہنم میں کوئی بھی ایمان والا نہیں ہے، مگر اب بھی بعض ایسے لوگ ہوں گے، جن کے دل میں ایسا ایمان ہے جس کو انبیاءؑ بھی نہ دیکھ سکیں گے، تو آخر میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: حدیث میں ہے کہ انبیاءؑ نے شفاعت کی، صلحا نے شفاعت کی، حفاظ نے شفاعت کی، علما نے شفاعت کی، سب نے شفاعت کی، سب نے اپنا حق ادا کر دیا۔ بس اب ارحم الراحمین ہی باقی ہے، اب

ارحم الراحمین ایسے لوگوں کو جہنم سے نکالے گا، جن کے ایمان کو فرشتے بھی نہیں جانتے، اور جن کے ایمان کے نور کو نبی بھی نہیں جانتے، مگر میں ان کے ایمان کو جانتا ہوں۔ آج میں اپنی قدرت سے ان کو جہنم سے نکالوں گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ جہنم میں سے ایک مٹھی بھریں گے، پس ایسے لوگوں کو نکالیں گے، جنہوں نے کبھی کوئی خیر انجام نہیں دی، اور صرف ایمان کی پوشیدہ دولت ان کے پاس تھی۔ یہ لوگ جل کر کوئلے ہو چکے ہوں گے، ان کو اللہ تعالیٰ ایک نہر میں غوطہ کھلائیں گے، جو جنت کے ابتدائی حصے میں ہوگی، جس کا نام نہر الحیات ہے، یعنی زندگی کی نہر۔ نہر میں غوطہ کھلانے کی وجہ سے ان کی حالت بالکل بدل جائے گی اور نہر سے اس حال میں نکلیں گے کہ جیسے موتی ہیں، چہرے انتہائی نورانی ہوں گے، ان کی گردنوں میں نشانیاں ہوں گی، اور بعض روایتوں کے مطابق ان کی پیشانی پر لکھا ہوا ہوگا "**عتقاء الرحمٰن**"۔ یہ رحمان کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ وہ فخر کریں گے، حالاں کہ سب سے اخیر میں جنت میں داخل ہوں گے وہ کہیں گے ہمارے پاس تو ایک عجیب چیز ہے، جو تمہارے پاس نہیں، ہماری پیشانی پر لکھا ہوا ہے "**عتقاء الرحمٰن**"۔ ہم رحمان کے آزاد کردہ ہیں۔

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ:۲/۴۹۰)

الحمد للہ! آپ کو محمد کے معنیٰ بھی سمجھا دیے، احمد کے معنیٰ اور مطلب بھی آپ کے سامنے آ گئے، اور مقام محمود کی تشریح بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور توفیق سے آپ کے سامنے آ گئی۔

ہم ہر وقت اور ہر جگہ مسلمان ہیں:

بس اب حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی اس مختصر سی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا

ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو اختیار کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ (اٰل عمران: ۳۱)

[آپ کہہ دیجیے، اے ایمان والو! اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ ہمیں اللہ سے محبت ہے؛ تو تم میری اتباع کرو۔] میں نے تمہارے سامنے جو اسوہ پیش کیا ہے، زندگی کے ہر شعبہ میں اس کو اختیار کرو۔لہٰذا ہم زندگی کے ہر شعبہ میں، خوشی میں، غمی میں، کاروبار کے اندر، تجارت میں، ہر موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کو اپنانے والے بنیں۔ایسا نہیں ہے کہ ہم صرف مسجد میں مسلمان ہیں، ہم چوبیس گھنٹے مسلمان ہیں۔لہٰذا ہماری ہر نقل و حرکت، چوبیس گھنٹے کے اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ اور سنت کے مطابق ہو جائیں، اس کی ہمیں فکر کرنی چاہیے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وصف مثالی ہے:

بزرگو اور میرے مخلص دوستو! میں نے کچھ باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے متعلق عرض کیں، مگر حق یہ ہے کہ مجھ سے اس مضمون کا حق ادا نہ ہوا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اگر بیان کرتے رہیں، تو زندگی بھر بیان کرنے کے باوجود بھی وہ ختم نہیں ہو سکتیں، اس بحرِ ذخّار کے لیے کئی زندگیاں بھی ناکافی ہیں ــــــ:

سرکار دو عالمؐ کا ہر وصف مثالی ہے
صورت بھی نرالی ہے، سیرت بھی نرالی ہے

داغ دہلوی نے کہا ہےــــــ:

میری نسبت کو قیصر و سنجر سے کیا نسبت
میں تو غلام ہوں شاہ عراق و حجاز کا

اور کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے___:

نہ توبہ پر، نہ طاعت پر، نہ زہد و اتقاء پر
ہمیں جو کچھ ناز ہے محمد مصطفیٰ پر

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَداً عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ

اللہ تعالیٰ کو دوسرا نمونہ پسند ہی نہیں:

تو میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت اونچا مقام عطا فرمایا ہے۔ ہم اپنے مقام کو پہچانیں، اور اس زندگی کے ہر ہر شعبہ میں چاہے خوشی کا موقع ہو یا غم کا موقع ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقہ اور نورانی سنتوں کو اختیار کرنے والے بنیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کو اپنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صاف ارشاد فرمایا:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (الاحزاب: ۲۱)

[کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔]

اب اللہ عزوجل کو کوئی اور نمونہ پسند ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت اور اس کو اپنی زندگی میں اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ایک ایک سنت پر عمل کرنا نصیب فرماوے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿ ۲ ﴾

سیرت طیبہ کی امتیازی شان

(قسط دوم)

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجھک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

﴿۲﴾

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سیرت طیبہ کی امتیازی شان

(قسط دوم)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ !

فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْن.

(الانبیاء:۱۰۷)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

سَلَامٌ عَلٰی خَیْرِ الْاَنَامِ وَ سَیِّدِیْ = حَبِیْبِ اِلٰہِ الْعَالَمِیْنَ مُحَمَّدِ

بَشِیْرٍ نَذِیْرٍ ھَاشِمِیٍّ مُّکَرَّمٍ = عَطُوْفٍ رَؤُوْفٍ مَّنْ یُّسَمّٰی بِاَحْمَدِ

مجلس ہے یہ کیسی لگی = محفل ہے یہ کس کی جمی

جلسہ ہے سیرت النبی = بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ

آئے ہیں کتنی دور سے = مجلس بھری ہے نور سے

جلوہ ہے گویا طور سے = کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

صدیق باایمان ہوئے = فاروق بھی قربان ہوئے

شیدا عثمان و علی ہوئے = حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ
الفت نبی کی ہے اگر = طاعت نبی کی جلد کر
سنت ہے سب سے خوب تر = صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی نشانیاں عالم کے گوشے گوشے میں:

بزرگو اور دوستو! آپ حضرات سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ان شاء اللہ زندگی رہی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و معجزات اور کچھ خصوصیات کے متعلق آپ حضرات کے سامنے بیان کروں گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام کیا ہے؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا معجزات ہیں؟ اور آپ کی کچھ خصوصیات آپ کی خدمت میں عرض کروں گا۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ اس عالم میں جس طرح اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور معرفت کی آیات اور نشانیاں فرش سے لے کر عرش تک پھیلی ہوئی ہیں، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی آیات اور نشانیاں بھی عالم کے گوشے گوشے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ علامہ ابن تیمیہؒ کی ایک کتاب ہے "**الجواب الصحیح**" کے (ج۴/ص۲۴۸) پر آپ نے یہ بات تحریر فرمائی ہے۔

روح مبارک صلی اللہ علیہ وسلم:

اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اونچے اونچے مقام عطا فرمائے ہیں، ان میں ایک مقام یہ بھی آپ کو عطا فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سارے عالم کو بنانے سے پہلے حتیٰ کہ حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے سے پہلے، غرض کہ ہر چیز سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو پیدا فرمایا ہے۔ حدیث میں فرمایا: "کنت نبیا و

آدم بین الماء و الطین“ [کہ میں اس وقت سے نبی ہوں؛ جب کہ آدم ابھی مٹی اور گارے میں تھے۔] اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن صحابہؓ نے پوچھا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے لیے آپ کس وقت نامزد ہوئے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس وقت سے نبی ہوں جب کہ آدمؑ روح و جسم کے درمیان میں تھے۔
(ترمذی، مشکوٰۃ:۲)

ترجمان السنہ کا تعارف:

ایک اور حدیث میں فرمایا، بڑی عجیب بات فرمائی۔ علامہ بدر عالمؒ نے ترجمان السنہ میں اسے نقل فرمایا ہے۔ ترجمان السنہ بہت اچھی کتاب ہے، آپ دوستوں سے بھی میرا مشورہ ہے کہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں۔ علامہ نے اس کتاب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عجیب عجیب معجزات کا تذکرہ فرمایا ہے، اس کو پڑھ کر مؤمن کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ مدینہ طیبہ میں بیٹھ کر آپ نے یہ کتاب لکھی ہے۔ اور مدینہ طیبہ میں آپ کی وفات ہوئی ہے، اور وہیں دفن بھی ہوئے ہیں۔ اللہ ہم سب کو ایسی مبارک موت نصیب فرمائے، آمین۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فاتح بھی ہیں، خاتم بھی ہیں:

تو مولانا بدر عالمؒ نے ترجمان السنہ میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے: ”جعلتک فاتحًا و خاتمًا“ یہ حدیث قدسی ہے، اس حدیث میں اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرما رہے ہیں: [کہ میں نے آپ کو فاتح بھی بنایا، اور خاتم بھی بنایا۔] یعنی سب سے پہلے نبوت کی افتتاح بھی میں نے تم سے کی اور خاتم النبیین بھی تم ہی کو بنایا۔ تو

سب سے پہلے افتتاح بھی مجھ سے کی اور خاتم النبیین بھی مجھے بنایا۔ اسی مضمون کو حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند نے بڑے عجیب انداز میں بیان فرمایا ہے:

سب سے پہلے مشیت کے انوار سے
نقش روئے محمدؐ بنایا گیا
پھر اسی نقش سے مانگ کر روشنی
کون و مکاں سجایا گیا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور چاند سے زیادہ روشن ہے:

مکہ مکرمہ میں ماہِ ربیع الاول میں بی بی آمنہ کی گود میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔ دنیا اور کون ومکان روشن ہو گیا۔ ہر قسم کی آلائش سے پاک اور مختون تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک نہایت حسین، بے حد خوبصورت، سیرت کا تو کیا پوچھنا؟ لیکن جسم مبارک بھی اتنا حسین تھا کہ حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں: کہ ایک رات میں مسجد میں گیا، چاندنی رات تھی، چودہویں رات کا چاند تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرخ دھاری والی چادر اوڑھے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور دیکھا جو بے حد روشن اور نورانی تھا۔ میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو دیکھتا، اور کبھی چودہویں رات کے بدر کامل کو دیکھتا۔ پھر میرے دل نے یہ فیصلہ کرلیا کہ میرا بدر کامل یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور آسمان کے اس بدر کامل سے زیادہ روشن ہے۔

رضوان نے دی بڑھ کر صدا کیا نور ہے صل علیٰ
شمس و قمر ان پر فدا کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبیح الوجہ، کریم الحسب، حسن الصوت، خوب صورت چہرہ والے، عمدہ حسب اور بہت ہی عمدہ، پیاری، میٹھی آواز والے تھے۔

صحابہؓ کے یہاں غلو نہیں ہے:

اور ایک بات یاد رکھیں! اور میں جو بات کہہ رہا ہوں، یہ صرف از روئے محبت نہیں کہہ رہا ہوں، اس میں کوئی غلو نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا نہیں ہیں۔ خدا، خدا ہے، خالق، خالق ہے اور مخلوق، مخلوق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام پاکیزہ مقدس انسانوں میں سب سے زیادہ پاکیزہ اور مقدس انسان ہیں۔ نبی اور رسول ہیں، آپ کا مقام انتہائی اعلیٰ اور ارفع ہے۔ ہم آپ کو خدا نہیں سمجھتے ہیں، ہم آپ کے عشق اور محبت میں غلو سے کام نہیں لیتے ہیں۔ ہمیں الحمد للہ حدود معلوم ہیں، ہر چیز کو اپنی حد میں رکھنا چاہیے۔ نیز ایک بات اور یاد رکھیے! کوئی شاعر کسی کی تعریف کرتا ہے، تو ان کی عام طور پر عادت یہ ہوتی ہے کہ بڑے مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ رائی کو پہاڑ بنا دیتے ہیں۔ لیکن صحابہؓ ایسے نہیں تھے، جیسا انہوں نے دیکھا ویسا ہی وہ بیان کرتے ہیں۔ ان کے یہاں تکلفات اور غلو نہیں ہے۔

شمائل ترمذی میں حضرت جابر بن سمرہؓ جو بات بیان فرما رہے ہیں: کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور بدر کامل سے زیادہ روشن تھا، تو یہ حقیقت کے اعتبار سے بیان فرمایا، ان کے نزدیک یہ بالکل حقیقت تھی، اور حقیقتاً ان کو آپ کا چہرۂ انور بدر کامل سے زیادہ روشن معلوم ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن چھپالیا گیا ہے:

حضرت حسان بن ثابتؓ کی روایت ہے: کہ حضرت یوسفؑ کو اللہ تعالیٰ نے حسن عطا فرمایا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمال عطا فرمایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک روایت میں فرمایا: "یوسف صبیح و انا ملیح" یوسف صبیح تھے، خوب صورت تھے، اور اللہ نے میرے اندر ملاحت کو رکھا ہے، جمال عطا فرمایا ہے۔ اور بعض روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کو چھپا دیا گیا تھا، ورنہ کسی کی آنکھ میں طاقت نہ تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر اٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کو دیکھ سکے۔ روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک ہوتی تھی، صحابہؓ تشریف فرما ہوتے تھے، کسی صحابی کو اتنی تاب نہ ہوتی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر سے نظر ملا کر آپ کو دیکھے، سوائے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے، رضی اللہ عنہما۔

حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب مسرت وخوشی کے آثار طاری ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس ایسا روشن ہوجاتا: "کانه قطعة قمر" گویا وہ چاند کا ٹکڑا ہو۔

(خصائص کبریٰ:۱، مشکوٰۃ:۲/۵۱۸)

حضرت ربیع بنت معوذؓ کہتی ہیں: کہ اگر تم لوگ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو

دیکھتے تو ایسا معلوم کرتے، جیسے "الشمس طالعة" (افق سے) آفتاب طلوع ہورہا ہے۔
(دارمی، مشکوٰۃ:۲/۵۱۷)

حسن ہے بے مثل صورت لا جواب
میں فدا تم پر آپؐ ہو اپنا جواب

امام قرطبیؒ نے بعض اکابرین سے نقل فرمایا ہے: کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال جہاں آرا پورے طور پر ہمارے لیے ظاہر ہی نہیں ہوا، ورنہ صحابہ کرامؓ کی آنکھیں روئے اقدس کی طرف نظر نہ کرسکتیں۔ یہ تو آنکھ والوں کا حال اور کور چشماں سیاہ اس عالم کے نور کو کیا دیکھ سکتے، ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ ایک موقعہ پر اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَتَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لاَ يُبْصِرُوْنَ. (الاعراف: ۱۹۸)

[اور ان کو آپ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں، اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک سے نور نکلتا تھا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کلام فرماتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے دندان مبارک سے ایک نور نکلتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ:

ان رسول الله ﷺ افلج الثنيتين اذا تكلم رأى كالنور يخرج من ثناه.
(دارمی، مشکوٰۃ:۲/۵۱۸)

[حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب کلام فرماتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس دانتوں کی کشادگی سے ایک نور چھنتا تھا۔] ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ

فرماتے ہیں:

اذا اضحک یتلالا فی الجدر ما ارٰی مثله قبله و لا بعده.

(ترمذی)

[جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے تو دیواروں پر عکس پڑتا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نہ آپ سے قبل دیکھا نہ آپ کے بعد۔] اس وجہ سے میں کہا کرتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو الفاظ نکلتے ہیں وہ حدیث بن جاتی ہے۔ ہم اور آپ بات کرتے ہیں تو منہ سے تھوک نکلتا ہے، مگر آپ کے دندان مبارک سے نور نکلتا تھا۔

آپ کو اپنی ذات کے لیے کبھی غصہ نہیں آیا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب غصہ اور جلال آتا تھا؛ اور ایک بات یاد رکھیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جلال اور غصہ کبھی بھی اپنے معاملہ کے لیے نہیں آتا تھا، لیکن جہاں اللہ کا امر ٹوٹتا ہو، اللہ کا حکم ٹوٹ رہا ہو، تو اس وقت آپ کو جلال آجاتا تھا۔ غزوۂ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین نمازیں قضا ہوگئیں۔ یہاں اللہ کا حکم ٹوٹا، ان کی وجہ سے تین نمازیں قضا ہوگئیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت جلال میں فرمایا:

ان رسول اللّٰہ ﷺ قال یوم الخندق حبسونا عن صلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ العصر ملأ اللّٰہ قبورھم و بیوتھم ناراً.

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ:۱/۶۳)

[اللہ ان کافروں کی قبروں کو اور ان کے گھروں کو آگ سے بھردے، ان لوگوں نے ہمیں درمیانی نماز یعنی عصر کی نماز سے روک دیا۔]

صلوٰۃ وسطیٰ یعنی عصر کی نماز فوت ہوگئی۔ایک عورت تھی فاطمہ،اس نے چوری کرلی۔کسی نے کہا:اس خاتون کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کر دو،تمہارا حضور سے تعلق ہے۔انہوں نے سفارش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلال میں آ گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے حدود کے بارے میں میرے پاس سفارش لاتے ہو،اگر میری بیٹی فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتیں تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جاتا۔

میری قبر کو سجدہ گاہ اور میلہ گاہ نہ بنانا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرمارہے ہیں،دنیا سے تشریف لے جارہے ہیں،آپ نے اپنی امت کو نصیحت فرمائی:

لا تطرونی کما اطرت الیھود و النصاریٰ

کہ اے میرے امتیو! تم یہود و نصاریٰ کی طرح مت بننا، مجھے اتنا مت بڑھا دینا، مجھے اتنا مت بڑھا دینا کہ خدا کے مقام تک پہنچا دو۔جس طرح کہ یہود و نصاریٰ نے کیا۔یہودیوں نے حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہہ دیا،نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہہ دیا، مجھے یہاں تک مت پہنچانا۔اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جلال دیکھو:

لعن اللّٰہ الیھود و النصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد.

کہ اللہ کی لعنت ہو، پھٹکار ہو یہود و نصاریٰ پر،انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا،وہاں سجدہ کررہے ہیں۔

(بخاری ومسلم،مشکوٰۃ:۱/۶۹)

سجدہ تو اللہ کی ذات عالی کے لیے ہے،کسی پیر کے لیے،کسی فقیر کے لیے،کسی

مرشد کے لیے نہیں ہے، کسی بڑے سے بڑے غوث وقطب کی قبر پر بھی سجدہ جائز نہیں ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک پر سجدہ کرنے سے منع فرما رہے ہیں تو دوسروں کی قبر پر کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ یہاں جلال ہے کیوں کہ سجدہ غیر اللہ کے لیے جائز نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا:

الا و ان من كان قبلكم كانوا يتخذون قبور انبيائهم و صالحيهم مساجد، الا فلا تتخذوا القبور مساجد، انی انهاكم عن ذلک.

(مشکوۃ:۱/۶۹)

لا تتخذوا قبری عیدا.

(مسند احمد:۱۴/۴۰۳)

لا تتخذوا قبری وثنا.

(مؤطا امام مالک:۱/۱۴۰)

[دیکھو! تم سے پہلے کی امت والوں نے اپنے نبیوں کی اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا، خوب سن لو تم قبروں کو سجدہ گاہ مت بنانا، میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔ میری قبر کو عید یعنی میلہ گاہ مت بنانا، میری قبر کو بت مت بنانا۔] یہ جلال ہے اور اسی پر بس نہیں فرمایا، اللہ سے مانگ بھی لیا، دعا فرماتے ہیں:

اللّٰھم لا تجعل قبری وثنا یعبد.

(مشکوۃ:۱/۷۲)

[اے اللہ! میری قبر کو بت مت بنانا کہ میرے بعد اس کی پوجا شروع کر دی جائے۔] بتلاؤ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوئی یا نہیں؟ بتلایئے! آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر کوئی سجدہ کرسکتا ہے؟ کوئی جھک سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جالی مبارک کو کوئی چوم سکتا ہے؟ یا اس کے سامنے جھک سکتا ہے؟

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لیے کبھی کسی پر غصہ نہیں ہوئے، لیکن جہاں اللہ کے حدود کا معاملہ آتا تھا، اور اللہ کا کوئی حکم ٹوٹتا تھا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جلال آتا تھا، اور حدیث میں آتا ہے: کہ ایسے وقت آپ کا چہرۂ انور ایسا سرخ ہو جاتا تھا، جیسے کہ انار کے سرخ سرخ دانے آپ کے چہرۂ انور پر چھڑک دئے ہوں۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر:

کلام فرماتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک سے جو نور نکلتا تھا، میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ ان الفاظ سے میں اس نور مبارک کی کیفیت کی تعبیر کر سکوں۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی معبر اس نور کی کیفیت کی تعبیر نہیں کر سکتا۔ اور چہرۂ انور پر غصہ کے وقت جو سرخی آتی تھی کوئی مصور اس کی تصویر نہیں کھینچ سکتا۔ اس لیے کسی نے خوب کہہ دیا ہے :

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجھک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

[اے صاحب جمال! اور اے انسانوں کے سردار! آپ کے منور چہرے کے نور سے چاند روشن ہے، آپ کی تعریف کا جیسا حق ہے ایسی تعریف کرنا کسی کے بس کی بات نہیں، بس آپ کی شان میں اتنا ہی کہتا ہوں کہ اللہ کے بعد سب سے بڑا مرتبہ، سب سے بزرگ ہستی آپ ہیں، اور بس۔]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات باطنیہ اور ظاہریہ اس قدر ہیں، اس قدر ہیں کہ ان کو بیان نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہہ دیا ”بعداز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“۔ کہ اللہ کے بعد سب سے زیادہ فضیلت اور مرتبہ والی ہستی آپ ہیں، اور بات ختم۔

گردن کٹادیں:

میں ذکر کررہا تھا، کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمانی اعتبار سے بھی بہت زیادہ حسین وجمیل اور خوب صورت بنایا تھا۔ ماں عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھنے والیوں نے اپنی انگلیاں کاٹ لی تھیں، اور میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کو جنہوں نے دیکھا انہوں نے انگلیاں نہیں، گردنیں کٹوادیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اپنی گردن کٹادیں، اپنی جانیں قربان کردیں۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ہیں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ یہ اپنی نوجوانی کے زمانہ میں ملک شام گئے تھے۔ ایک دن مغرب کے بعد ایک ستارہ نکلا، ایک یہودی عالم نے وہ ستارہ دیکھ کر کہا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوگئے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بہت بڑے شاعر تھے۔ اگر کوئی اسلام کے خلاف بکواس کرتا تو یہ شعر میں اس کا دندان شکن جواب دیتے تھے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ خود بھی شاعر تھے، ان کے والد بھی اور ان کے دادا بھی شاعر تھے۔ اس لحاظ سے خاندانی شاعر ہوئے۔ اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بھی ایک

سوبیس سال کی عمر پائی، ان کے والد کی عمر بھی ایک سوبیس سال، اوران کے دادا نے بھی ایک سوبیس سال کی عمر پائی۔

حضرت حسانؓ فرماتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسانؓ کو مسجد نبوی میں منبر پر بٹھاتے تھے، اور فرماتے تھے: تم منبر پر بیٹھ کر اسلام کے بارے میں اشعار کہو۔ حضرت حسانؓ جب اسلام کے خلاف دشمنوں کی بکواس کا جواب دیتے تھے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی حوصلہ افزائی فرماتے، اور داد دیتے تھے کہ: سبحان اللہ، احسنت واللہ، صدقت واللہ۔ اور پھر فرماتے تھے: ”**اللّٰھم ایدہ بروح القدس**“ اے اللہ! ان کی مدد فرما حضرت روح القدس کے ذریعہ۔ حضرت حسان بن ثابتؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک اور چہرۂ انور کے بارے میں کتنا عمدہ کلام پیش فرمایا ہے، وہ منظر کس قدر پیارا ہوگا کہ حضرت حسانؓ منبر رسول پر بیٹھتے ہوں گے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے ہوں گے، اور صحابہؓ اردگرد تشریف رکھتے ہوں گے، میں تو جب مدینہ منورہ جاتا ہوں اور مؤذن ”**اشھد ان محمداً رسول اللّٰہ**“ کہتا ہے، تو قلب میں عجیب کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ بہرحال! وہ منظر کتنا دل کش، کس قدر پیارا اور نورانی ہوتا ہوگا، جب حضرت حسان بن ثابتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرکے فرماتے تھے ____:

و احسن منک لم تر قط عینی

و اجمل منک لم تلد النساء

[میری آنکھوں نے آپ سے زیادہ حسین چہرہ دیکھا ہی نہیں، اور اتنا حسین

جمیل اورخوب صورت بچہ کسی عورت نے جنا نہیں۔]

اور آگے فرماتے ہیں ـــــــ:

خلقت مبرءً ا من کل عیبٍ

کانک قد خلقت کما تشاء

[فرمایا: اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عیوب و نقائص سے بالکل پاک اور صاف پیدا فرمایا۔ گویا آپ کو ایسا بنایا جیسا آپ چاہتے تھے۔]

ام المؤمنین حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں:

حضرت عائشہ ؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر اور چہرۂ مبارک کی تعریف میں فرماتی ہیں ـــــــ:

لـــنـــا شـــمـــس و لـــلآفـــاق شـــمـــس

شـــمـــســی خیـــر مـــن شـــمـــس الســـمـــاء

شـــمـــس الـــنـــاس تـــطـــلـــع بـــعـــد فـــجـــرٍ

و شـــمـــســـی تـــطـــلـــع بـــعـــد الـــعـــشـــاء

[آپ ؓ فرماتی ہیں، اور بہت عجیب فرماتی ہیں: کہ ایک تو وہ سورج ہے جو آسمان میں چمکتا ہے اور ایک میرا سورج ہے، میرا سورج آسمان کے سورج سے زیادہ نوروالا ہے، آسمان کے سورج سے زیادہ روشن اور چمکدار ہے۔ لوگوں کا سورج صبح میں فجر کے بعد طلوع ہوتا ہے، اور میرا سورج عشاء کے بعد طلوع ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: کہ میں کپڑا سی رہی تھی، سوئی گر گئی، تلاش کیا تو ملی نہیں۔ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ کے چہرۂ انور سے روشنی نکل

رہی تھی اس سے میں نے سوئی پالی۔

(ابن عساکر، خصائص کبریٰ:۱/۶۳،بیہقی:۲/۴۰)

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ ایسا نورانی بنایا تھا، ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ ابھی تک تو یہ بیان تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر کیسا تھا۔

دل آفاقی ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک اور آپ کا قلب اطہر بھی اللہ تعالیٰ نے عجیب بنایا تھا، اور ایک بات یاد رکھیں! حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ قلب آفاقی ہے۔ ہمارا بدن یہ تو دنیا کا ہے مگر دل آفاقی ہے۔ اور یہ دل حق کو ہی قبول کرتا ہے، ناحق کو قبول نہیں کرتا۔ یہ بات الگ ہے کہ کوئی شخص اپنی جہالت کی وجہ سے ناحق کو حق سمجھنے لگے، وہ بات الگ ہے، ورنہ یہ قلب آفاقی ہے، یہ حق ہی کو قبول کرے گا۔ مثال کے طور پر ایک شخص چوری کرنے جا رہا ہے تو پیر چلیں گے، ایسا نہیں ہوگا کہ پیر میں کانٹیں چبھیں گے۔ اب یہ گیا اور انبالہ کی مٹھائی چرا کر لایا، اب وہ کھا رہا ہے تو زبان کو کڑوا نہیں لگے گا، وہ اس کا مزہ محسوس کرے گی، ناک کو اس کی خوشبو حاصل ہوگی، لیکن دل کہے گا تو نے غلط کام کیا، دل حق کو ہی قبول کرے گا۔ اللہ نے دل بنایا ہے اور جسم بھی بنایا ہے، مگر دل کو اعلیٰ قسم کے خمیر سے بنایا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اطہر:

بقول حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ، اللہ تعالیٰ نے جس مادہ سے عام انسانوں کے قلب کو بنایا ہے، اس مادہ سے انبیاءؑ کے مبارک جسموں کو بنایا ہے۔ اور تمام

انبیاء ورسل کے مبارک قلوب اور نورانی دلوں کو جس پاکیزہ مادہ سے بنایا؛ اس پاکیزہ، لطیف، نورانی مادہ وجوہر سے سرورِ کائنات، سردار دو جہاں، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی بدن اور جسم اطہر کو پیدا فرمایا۔ تو انبیاء کا قلب کتنا اعلیٰ ہوگا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو، جسم مبارک کو انبیاءؑ کے قلب کا جو مادہ ہے اس مادہ سے بنایا ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اطہر کس قدر قیمتی اور اعلیٰ وارفع ہوگا۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں جو ایمان اور نور ہوگا اس کو کون بیان کرسکتا ہے۔ اس لیے صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں بیٹھتے تھے، اور ان کا قلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتا تھا، تو مجلّٰی اور صاف ہوجاتا تھا، ان کو بہت زیادہ مجاہدہ اور چلہ کشی کرنا نہیں پڑتی تھی۔ سامنے بیٹھنے سے ولایت کے سارے مقامات طے ہوجاتے تھے، مشکوٰۃ نبوت سے ان کو جو فیض پہنچتا تھا اس فیض سے ان کی اصلاح ہوجاتی تھی۔ ایسا قلب اطہر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا تھا۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎:

درفشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
جو خود نہ تھے راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
وہ کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کے انوار وفیوض کے عکس کا اثر:

اور ایک بات یہ بھی یاد رکھیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کے جو

انوار اور فیوض صحابہ پر پڑتے تھے وہ اصل نہیں، اس کا عکس پڑتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف طیبہ، طاہرہ، مقدسہ میں سے جس جس صفت کا عکس جس جس صحابی پر پڑا وہ صفت اس صحابی میں نمایاں طور پر ظاہر ہوئی۔ اب جس پر جو عکس زیادہ پڑ گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض کی وہ صفت اس میں نمایاں طور پر آ جاتی تھی۔ صدیق ؓ میں صداقت کا عکس پڑ گیا، صدیق بن گئے۔ فاروق ؓ میں عدالت کا عکس پڑ گیا، عادل بن گئے۔ عثمانؓ میں سخاوت کا عکس پڑ گیا، سخی بن گئے۔ علیؓ میں شجاعت کا عکس پڑ گیا، علیؓ شجاع بن گئے۔ اور اس میں جو شخص یہ سمجھا کہ میرا عکس ہے وہ گمراہ ہو گیا۔ ایک صاحب کاتب وحی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی لکھوا رہے تھے:

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ (المؤمنون: ۱۴)

جب اتنا لکھوایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کا عکس اس کاتب پر پڑا، اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھنے سے پہلے ہی ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ لکھ دیا، حالاں کہ ابھی یہ آخری جملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا نہیں تھا۔ جو کلمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک اس کاتب کے قلب کی طرف متوجہ ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کے عکس اور تاثیر سے اس کے دل میں بھی وارد ہو گیا: ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ اور دل میں سے اس کی زبان پر، اور زبان سے اس کی قلم پر جاری ہو گیا، مگر یہ کھیر نفس و شیطان نے ہضم نہ ہونے دی، اس کو گمراہ ہی کر دیا۔ اور اس سے اس نے یہ سمجھ لیا کہ میرے اوپر

بھی وحی آنی شروع ہوگئی۔ چنانچہ وہ اسلام سے نکل گیا، مرتد ہوگیا، ایمان سے نکل گیا، کافر ہوگیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مشکوٰۃ نبوت کا جو عکس جس صحابی پر پڑ گیا وہ، وہ بن گئے۔ کسی نے خوب کہا ہے:

حضور آئے تو کیا کیا ساتھ نعمت لے کے آئے ہیں
اخوت، علم و حکمت، آدمیت لے کے آئے ہیں
کوئی صدیق سے پوچھے صداقت کن سے حاصل کی
عمر ہیں ان کے شاہد وہ عدالت لے کے آئے ہیں
کہا عثمان نے میری سخاوت ان کا صدقہ ہے
علی دیں گے شہادت وہ شجاعت لے کے آئے ہیں

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اطہر کتنا قیمتی تھا، اس کا کچھ اندازہ آپ حضرات کو ہوا ہوگا۔ ہم آپ کے قلب مبارک کی حقیقت کو کیا بیان کر سکتے ہیں اور کیا سمجھ سکتے ہیں؟ آپ کے قلب اطہر کی حقیقت کو تو اللہ عزوجل ہی جانتے ہیں۔ اب ان شاء اللہ یہاں سے شروع کریں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل مبارک کیسی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت سماعت کیسی تھی، بولنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک میں کیا طاقت تھی اور جسمانی کیا طاقت تھی۔ ان شاء اللہ اگلی نشست میں ان باتوں کو ذکر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان باتوں سے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت پیدا ہو اور جس قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت زیادہ ہوگی تو آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کی اطاعت زیادہ ہوگی اور جس قدر اطاعت اور اتباع زیادہ ہوگی قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب زیادہ نصیب ہوگا۔ایک حدیث میں فرمایا جو میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بہت اختلافات دیکھیں گے تمہارے لیے ضروری یہ ہے "علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدين المهديين" (مشکوٰۃ شریف) [تم میری اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑلو] تو ضلالت سے حفاظت ہوگی اور قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہوگا۔

تو ہر امر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو لازم پکڑیں، زندگی کے ہر گوشہ میں کوئی بھی موقع ہو، خوشی کا موقعہ ہو یا غمی کا، عبادت کا معاملہ ہو یا معاملات کا، معاشرت ہو یا کاروبار، ہر امر میں یہ جاننے کی کوشش کریں کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کیا ہے؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق اس کو انجام دینے کی فکر کریں، تو ضلالت سے حفاظت ہوگی، اور قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہوگا۔اور دوسری بات کثرت سے درود شریف پڑھتے رہیں۔اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور قرب پیدا ہوگا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

۳

سیرت طیبہ کی امتیازی شان

(قسط سوم)

عوارف المعارف میں بعض علما سے منقول ہے: کہ پوری عقل کے سو حصے ہوں، تو ان میں سے ننانوے حصے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں ہیں، اور ایک حصہ تمام انسانوں میں ہے۔ (سبل الہدیٰ: ص۳)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: اگر یوں کہیں کہ ہزار حصے ہیں، جن میں سے نوسو ننانوے (۹۹۹) حصے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اور ایک حصہ تمام انسانوں میں، تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ اس لیے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بے انتہا کمالات ثابت ہیں، تو جو کچھ بھی کہا جائے گا، بجا ہوگا۔

(مدارج النبوۃ)

﴿ ۳ ﴾

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سیرت طیبہ کی امتیازی شان

(قسط سوم)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ !

فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ وَمَا یَعْقِلُھَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ.

(العنکبوت:۴۳)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسوله النبی الکریم و نحن علی ذلك من الشاھدین و الشاکرین و الحمد لله رب العالمین۔

سَلَامٌ عَلٰی خَیْرِ الْاَنَامِ وَ سَیِّدِیْ = حَبِیْبِ اِلٰہِ الْعَالَمِیْنَ مُحَمَّدِ

بَشِیْرٍ نَذِیْرٍ ھَاشِمِیٍّ مُّکَرَّمٍ = عَطُوْفٍ رَؤُوْفٍ مَّنْ یُّسَمّٰی بِاَحْمَدِ

کیا شان ہے پیارے نبی کی = حق نے عطا کی سروری

معراج سے دی برتری = بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ

ظلمات تھی جب کفر کی = شرک و ضلالت بت گری

ایمان کی روح پھونک دی = کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

اسلام کی دعوت بھی دی = تکلیف بھی اس نے سہی

جس نے دعا دشمن کو دی = حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ

ایک دھوم دنیا میں مچی = آواز یہ آنے لگی
پڑھ لو درود اے امتی = صَلُّوا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

عقل اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے:

محترم بزرگو اور دوستو! کل یہ ذکر ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا حسین وجمیل بنایا تھا۔ "**کانک قد خلقت کما تشاء**" [گویا آپ کو ایسا بنایا جیسا آپ چاہتے تھے۔] آپ کے شمائل اور کمالات ظاہری و باطنی پر بات ہوئی تھی، اب آج اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسی عقل کامل عطا فرمائی تھی، وہ ان شاء اللہ بیان کروں گا۔

تو عرض ہے کہ عقل میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت اونچا مقام تھا۔ عقل کسے کہتے ہیں؟ اور عقل کا اسلام میں کیا مقام ہے؟ اور ہر ایک کی عقل میں کیا فرق ہے؟ اگر یہ باتیں سمجھ میں آجائیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقل مبارک کا کیا مقام ہے، وہ بھی سمجھ میں آجائے گا۔ اس لیے آج ارادہ یہ ہے کہ اس موضوع کے متعلق کچھ عرض کروں۔ نیا موضوع ہے، لہٰذا آپ توجہ سے سنیں، بار بار یہ باتیں سننے میں نہیں آتی ہیں۔

اولاً تو یہ کہ اسلام میں عقل کا کیا مقام ہے؟ تو سمجھئے کہ عقل اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے بہت بڑی نعمت ہے۔

عقل کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا:

اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں، کہ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**اول ما خلق اللّٰہ العقل**" [کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی

مخلوقات میں سب سے پہلے عقل کو پیدا فرمایا۔] جب عقل کو پیدا فرمایا: "**فقال له اقبل فاقبل**" [اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا: میری طرف متوجہ ہوجا، میری طرف آجا، تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف آگئی۔] "**ثم قال له ادبر فادبر**" [پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پیچھے ہٹ، وہ ہٹ گئی۔] اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "**ثم قال و عزتی و جلالی ما خلقت خلقاً اعز منک بک اٰخذ و بک اعطی**" [اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری عزت کی قسم، میرے جلال کی قسم، میں نے جو چیزیں پیدا کی ہیں اس میں تجھے سب سے زیادہ عزت دی ہے، اور تیری ہی وجہ سے لوگوں کی میں پکڑ کروں گا، اور تیری ہی وجہ سے لوگوں کو انعام عطا کروں گا۔ اتحاف السادات (ج ۱/ص ۴۵۳) پر یہ حدیث موجود ہے۔

اجر عقل کے اعتبار سے ملے گا:

ایک غزوہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس لوٹ رہے تھے۔ راستہ میں ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم غزوہ میں اور جہاد میں شریک ہوئے، اب واپس جارہے ہیں، کیا ثواب اور اجر کے اعتبار سے ہم سب برابر ہیں؟ سب کو ثواب برابر ملے گا؟ یا اس میں کچھ تفاوت اور فرق بھی ہے؟

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اجر و ثواب کے تو سب مستحق ہیں، لیکن ہر ایک کو ثواب اس کے عقل کی مقدار کے مطابق ملے گا۔ کیوں فرمایا؟ اس لیے کہ ہر انسان کا ہر عمل اس کے عقل کے تابع ہے، اور اجر عمل کے تابع ہے۔ لہٰذا جس کی جتنی عقل ہوگی، اس کے اعتبار سے اس کو ثواب زیادہ ملے گا۔

سب سے نفع بخش نعمت:

آپ نے نوشیروان کا نام سنا ہوگا، بہت بڑا بادشاہ گذرا ہے۔ اس کا وزیر تھا "بوذرجمہر" بڑا عقل منداور داناوزیر تھا۔اور بہت بڑا عالم تھا۔ایک بڑھیا نے اس کو ایک سوسوال لکھ کر دیے کہ مجھے ان سوالوں کے جواب دیجیے۔ اس نے تین سوالوں کا جواب دیا،اور ستانوے سوالوں کے متعلق کہا کہ مجھے ان کا جواب معلوم نہیں۔تو بڑھیا نے کہا: بادشاہ کی تنخواہ مفت میں کھاتا ہے،ستانوے سوال کے جواب نہیں دیے،صرف تین کے جواب دیے۔ اس نے جو جواب دیا وہ بھی سننے کے قابل ہے۔اس نے جواب دیا: بادشاہ مجھے جو تنخواہ دیتا ہے،وہ معلومات کی تنخواہ دیتا ہے،مجہولات کی نہیں دیتا۔

نوشیروان عادل نے ایک مرتبہ بوذرجمہر سے ایک سوال کیا: کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی جتنی نعمتیں ہیں ان میں سب سے زیادہ نفع دینے والی کون سی نعمت ہے؟ تو اس نے فرمایا: سب نعمتوں میں سب سے زیادہ نفع دینے والی نعمت عقل ہے۔اس عقل کے ذریعہ تاجر تجارت میں ترقی کرتا ہے، کسان اسی عقل سے سال میں دو تین فصل لیتا ہے، کھیت میں پودوں کے درمیان خالی جگہ رہتی ہے، تو اس کے مناسب کچھ سبزی بو دیتا ہے، یہ عقل ہی سے کرتا ہے۔ صنعت وحرفت جتنی بھی ہیں وہ سب عقل کی وجہ سے ہیں۔ نئی نئی ایجادات یہ عقل ہی کا کرشمہ ہیں۔تو سب سے زیادہ نفع پہنچانے والی چیز عقل ہی ہے۔ اسی طرح آخرت کا کارخانہ بھی عقل ہی سے چلتا ہے۔آخرت کی کھیتی بھی عقل کے ذریعہ خوب ہوتی ہے۔

نوشیروان نے کہا: اگر کسی کے پاس عقل نہ ہو تو پھر؟ فرمایا: اس کے ساتھی، اس کے دوست اچھے ملیں، جو اس کے عیب کو چھپا دیں۔ اگر بے عقلی کی وجہ سے بے وقوفانہ

حرکت کرے، بےوقوفی کی بات کرے،تواس کو چھپادیں۔

نوشیروان نے کہا: اگرکسی کوایسے ساتھی اورایسے بھائی نہ ملیں تو پھر؟ فرمایا: اگر یہ نہیں ہے،تواس کے لیے نافع مال ہے۔ مال کے ذریعہ خوب سخاوت کرے، عطاو بخشش کرے۔اس لیے کہ عطاو بخشش وہ بھی عیب کو چھپادیتی ہے۔

اس نے کہا: اگرکسی کے پاس مال بھی نہ ہوتو؟ فرمایا: اگراس کے پاس مال بھی نہیں ہےتو پھر بہتر یہ ہے کہ وہ خاموش رہے۔ کیوں کہ بے وقوف آدمی اگر بولے گا تو اس کی بات بےوقوفی کی وجہ سے مذاق بن جائے گی،اس لیے بہتر یہ ہے کہ وہ خاموش رہے۔

شیخ سعدیؒ نے خوب کہا ہے:

تا مرد سخن نگفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

تیرا خاموش رہنا ہی بہتر ہے:

ایک صاحب شادی کر کے بہو لائے، گھر میں بہو آئی، نئی نئی دلہن آرام سے رہنے لگی، مگر کچھ بولتی نہیں ہے، بالکل خاموش ہے۔ساس چاہتی ہے کہ کچھ بولے، مگر وہ بولتی نہیں۔ایک دن، دو دن، سات آٹھ دن ہو گئے، مگر وہ بولتی نہیں،تو ساس نے کہا: بہو اتنے دن ہو گئے تم کچھ بولتی کیوں نہیں؟ کچھ تو بول۔تو وہ بولی: اماں! میں سوچ رہی ہوں، میرا شوہر مر گیا تو میرا کیا ہوگا؟ اور تمہارا شوہر مر گیا تو تیرا کیا ہوگا؟ یہ سن کر ساس نے کہا: بہو!اس بولنے سے تو تیرا خاموش رہنا ہی بہتر تھا۔

پھر نوشیروان عادل نے کہا: اگرکسی کے پاس ان تمام چیزوں میں سے کچھ بھی نہ

ہو،تو اس کے لیے تم نے کہا بہتر یہ ہے کہ وہ خاموش رہے،لیکن اگر وہ خاموش بھی نہ رہے تو پھر؟ تو انہوں نے کہا: کہ پھر اس کے لیے مر جانا بہتر ہے۔

عقل کی فضیلت وبرتری تمام کائنات میں مسلم ہے:

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے، کہ عقل کی فضیلت و برتری تمام کائنات میں مسلم ہے۔ چنانچہ اس عقل کی بدولت تمام چیزیں انسان کے تصرفات میں ہیں۔ ایک ذرا سے ڈنڈے سے پورے اونٹوں کا گلہ یا بکریوں کے ریوڑ کو ایک شخص ہنکا لے جاتا ہے۔ اسی عقل کی وجہ سے انسان گھوڑے اونٹ جیسے طاقتور جانور کو نکیل پہنا کر اس پر سواری کر لیتا ہے، اور گائے بھینس جیسے جسامت اور ڈیل ڈول میں انسان سے کہیں بڑھ کر جانوروں کو سدھا کر ان سے کھیتی باڑی کا کام لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ جانور نہ انسان کی جسامت اور ڈیل ڈول سے ڈر سکتے ہیں، کیوں کہ وہ خود اس سے کہیں زیادہ جسیم ہیں اور نہ اس کے گز بھر کے ڈنڈے کا انہیں خوف ہے، کیوں کہ بڑے بڑے درخت وغیرہ ان کے سامنے ہوتے ہیں، مگر وہ کبھی کسی سے نہیں ڈرتے۔ معلوم ہوا کہ وہ انسان کی عقل سے ڈرتے ہیں، اور اسی لیے اس کے مطیع وفرماں بردار ہیں۔ آپ حضرات نے یہ مثل تو سنی ہوگی، بڑی مشہور ہے کہ ''بھینس بڑی ہے یا عقل؟'' بہر حال عقل کی فضیلت و برتری ایک مسلم حقیقت ہے۔

عقل تمام علوم کا سرچشمہ ہے:

امام غزالیؒ جن کا نام آپ نے سنا، یہ بہت بڑے فلسفی گذرے ہیں۔ انہوں نے اسلام کی بہت سی باتوں کو فلسفیانہ انداز میں لکھا ہے۔ ان کی کتابیں اگر آپ پڑھیں تو عقل

حیران رہ جائے گی۔ وہ فرماتے ہیں: کہ عقل منبع علوم وادراک ہے۔ یعنی سارے علوم اور ادراکات کا سرچشمہ اور منبع عقل ہے۔ بقول حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ: یعنی جس طرح چشمہ سے یا کنویں سے اہل حاجت سیراب ہوتے ہیں اسی طرح عقل ہے، اسی سے انسان علوم وکمالات کا حصول کرتا ہے۔ اور عقل مطلع ہے انوار وبرکات کا۔

مطلع افق مشرق کو کہتے ہیں، جس طرح افق سے آفتاب طلوع ہوتا ہے، اور عالم کو منور وروشن کرتا ہے، اسی طرح عقل بھی انوار وبرکات کا افق ہے، اور عقل اساس العلوم یعنی علوم کی بنیاد ہے۔ اگر عقل نہیں تو نہ دنیا کی عمارت بنتی، نہ ہی آخرت کی۔

اور حقیقت یہی ہے اگر کوئی شخص کسی تقریر میں بیٹھا، اگر وہ عقل مند ہے، تو اس ایک تقریر سے وہ دس تقریریں بنالے گا، اور اگر بے چارہ بے وقوف ہوگا، تو اس ایک تقریر کی بھی آدھی تقریر کردے گا۔ جیسے ایک دو گھنٹے بیان ہوا، اور حضرت یوسفؑ وزلیخا کا واقعہ بیان کیا، اب بیان کے بعد ایک شخص کہتا ہے: مولوی صاحب! آپ نے بیان تو بہت اچھا کیا، مگر یہ بتایئے کہ زلیخا مرد تھی کہ عورت تھا؟ تو معلوم ہوا کہ بے چارہ عقل سے کورا تھا۔ تو میں عرض کررہا تھا کہ عقل علوم کا سرچشمہ ہے۔

عقل کے کرشمے واقعات کی روشنی میں:

علامہ ماوردیؒ کی کتاب ہے "کتاب الدنیا و الدین" اس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے: کہ عقل اتنی بڑی نعمت ہے کہ بعض مرتبہ انسان عقل کے ذریعہ سے بڑے بڑے مسائل ایسے چٹکی میں سلجھا دیتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ اس پر آپ نے ایک دو واقعات تحریر فرمائے ہیں۔

ایک واقعہ حضرت علیؓ کا لکھا ہے: کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت علیؓ سے سوال کیا: کہ اے علی! اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام انسانوں کا حساب کتاب لیں گے، آدمؑ سے لے کر قیامت تک آنے والوں کا حساب لینا یہ تو بہت ہی مشکل کام ہے۔اس وقت کمپیوٹر اور کیلکو لیٹر ایجاد نہیں ہوئے تھے۔تو اس نے کہا: یہ تو اتنا مشکل کام ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح سب کا حساب لیں گے؟ حالاں کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اولین وآخرین کا حساب چٹکی میں لے لیں گے۔اس پر ہمارا ایمان ہے۔اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں، لیکن وہ تو قرآن والا نہیں تھا، ورنہ قرآن میں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:﴿ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ. ﴾ تو وہ قرآن پاک کی اس دلیل کو نہیں مانے گا۔تو حضرت علیؓ نے اس کو عقلی جواب دیا۔آپ نے فرمایا: دیکھو! زمین پر اللہ کی کتنی مخلوق ہے؟ انسان ہیں، جانور ہیں، چرند ہیں، پرند ہیں۔اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے وقت پر روزی پہنچاتے ہیں، اس میں کوئی غلطی نہیں ہوتی۔روئے زمین پر بے شمار مخلوق ہے، مگر ہر ایک کو روزی پہنچا رہے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا حساب لے لیں گے۔

آٹھ درہم کی تقسیم:

حضرت علیؓ کا ایک بڑا عجیب دلچسپ واقعہ ہے۔دو شخص ایک ساتھ کہیں جا رہے تھے، کھانے کا وقت آیا، دونوں کھانے کے لیے بیٹھے اور اپنے اپنے برتنوں سے کھانا نکالا۔ ایک شخص کے پاس تین روٹیاں تھیں، اور دوسرے کے پاس پانچ روٹیاں تھیں۔ایک مسافر گذر رہا تھا، تو اس کو بھی ان دونوں نے بلا لیا، اور کھانے میں اس کو شامل کر لیا۔اس کے

پاس کچھ کھانا نہ تھا۔کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب وہ مسافر چلنے لگا تو اس نے آٹھ درہم ان کو دیے کہ میری طرف سے ہدیہ ہے۔جس کی پانچ روٹیاں تھیں اس نے کہا: پانچ درہم مجھے دے دو، اور تین روٹیاں تمہاری تھیں تو تین درہم تم لے لو، معاملہ بالکل سیدھا سادا اور صاف ہے۔

اس نے کہا: نہیں۔ایسا کس طرح ہوسکتا ہے؟ حصہ برابر سرابر کرو، چار درہم تم لو اور چار درہم مجھے دو۔

اس نے کہا نہیں، میری پانچ روٹیاں تھیں، تو میں پانچ درہم لوں گا۔ دونوں جھگڑنے لگے۔اور آخر کار دونوں نے کہا: چلو! حضرت علیؓ کے پاس جاتے ہیں، وہ جو فیصلہ کریں ہم اس کے مطابق عمل کریں گے۔اب حضرت علیؓ کی عقل اور ذہانت دیکھو، یہ دونوں آپؓ کے پاس آئے اور اپنا واقعہ سنایا۔

تو حضرت علیؓ نے فرمایا: یہ شخص ٹھیک کہتا ہے، جس کی پانچ روٹیاں ہیں وہ پانچ درہم لے لے، اور جس کی تین روٹیاں ہیں وہ تین درہم لے لے۔

جس کی تین روٹیاں تھیں اس نے کہا: نہیں، آپ فیصلہ فرما دیجیے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: میرے فیصلے پر تم راضی رہو گے؟ اس نے ہامی بھر لی۔

تو آپؓ نے فرمایا: جس کی پانچ روٹیاں ہیں اس کو سات درہم دو، اور جس کی تین روٹیاں ہیں اس کو ایک درہم دو۔

اس نے کہا: یہ کیسا فیصلہ ہے؟

حضرت علیؓ نے فرمایا: دیکھو! آٹھ روٹیاں تھیں اور کھانے والے تین شخص تھے۔

ایک ایک روٹی کے تین تین حصے بناؤ، تو تین روٹی کے نو حصے ہوئے، اور پانچ روٹی کے پندرہ حصے ہوئے۔ پندرہ اور نو چوبیس ہوئے۔ چوبیس کو تین پر تقسیم کریں تو ہر ایک کے حصہ میں آٹھ حصے آئے، تو گویا ہر ایک نے آٹھ آٹھ حصے (ٹکڑے) کھائے۔ تو جس کی پانچ روٹیاں تھیں اس نے اپنی روٹی کے پندرہ حصوں میں سے آٹھ حصے خود کھائے، اور سات اس مسافر نے کھائے۔ اور جس کی تین روٹیاں تھیں، اس کے نو حصے تھے، تو اس نے اپنی روٹی کے آٹھ حصے خود کھائے، اور ایک حصہ مسافر نے کھایا۔ لہٰذا ایک درہم تین روٹی والے کو دو، اور سات درہم اس کو دو جس کی پانچ روٹیاں ہیں۔ چٹکی میں حساب کر کے دے دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے بارے میں فرمایا ہے **"واقضاهم علی"** [صحابہ میں سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے حضرت علیؓ ہیں۔] یہ جواب آپؓ نے عقل سے دیا۔

روح کہاں جاتی ہے:

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے ایک شخص نے کہا: کہ جب روح بدن سے نکلتی ہے تو کہاں جاتی ہے؟ ایک چراغ چل رہا تھا، حضرت ابن عباسؓ نے اس کو بجھا دیا۔

آپ نے فرمایا: چراغ جل رہا تھا، اب اس کی روشنی کہاں گئی؟ جس طرح روشنی چلی جاتی ہے، غائب ہو جاتی ہے، اسی طرح روح بھی چلی جاتی ہے۔ تو دیکھو! یہ عقلی اعتبار سے آپ نے جواب دیا۔

عقل کی تعریف:

عقل کی تعریف کیا ہے؟ عقل کس کو کہتے ہیں؟ عقل ایک جوہر نورانی ہے، جس

سے حقائق کا ادراک ہوتا ہے، اور حق و باطل میں تمیز پیدا ہوتی ہے۔اس کو عقل کہتے ہیں۔ عقل کی تعریف وحقیقت میں لوگوں کا اختلاف ہے۔قاموس نے لکھا ہے کہ عقل چیزوں کے حسن وقبح اور اس کے کمال ونقصان کی صفات کے علم کا نام ہے، اور یہ عقل کے نتائج و ثمرات سے حاصل ہوتا ہے۔اور عقل ایسی قوت ہے جو اس علم کا مبدأ اور سر چشمہ ہے، اور کہا جاتا ہے کہ انسان کی حرکات وسکنات میں ہیئت محمودہ کا نام عقل ہے، حالاں کہ یہ تو عقل کے خواص وآثار کے قبیل سے ہے، قول حق تو وہی ہے، جسے علما ربانیین نے بیان فرمایا ہے: کہ عقل ایک روحانی نور ہے۔

(مدارج النبوۃ)

عقل کے بارے میں اور اس کی حقیقت میں علمانے بہت کلام کیا ہے، اور اس کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔مگر بندہ آپ کو اس کی طویل تفصیلات میں لے جا کر آپ کی عقل کو الجھانا نہیں چاہتا۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے بہت آسان لفظوں میں اس کی تعریف بیان کی ہے، وہ سماعت فرمایئے۔

دل کی آنکھ کا نام عقل ہے:

حضرت نانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند فرماتے ہیں: اللہ نے سر میں دو آنکھیں پیدا فرمائی ہیں، انسان اپنی ان آنکھوں سے بہت سی چیزوں کو دیکھتا ہے، اور ان کو پہچانتا ہے، کہ یہ کالی چیز ہے اور یہ سفید ہے۔بعض صورتیں اس کو پسند آتی ہیں، بعض پسند نہیں آتیں۔

فرمایا: اسی طرح اللہ نے دل کی دو آنکھیں بنائی ہیں۔دل کی جو آنکھ ہے اس کا نام عقل ہے، جس سے حق اور باطل میں فرق ہوتا ہے۔آپ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص یہ

دعویٰ کرے کہ ہم اسلام کو اس وقت مانیں گے جب کہ اسلام ہماری عقل کے مطابق ہو، آپ اس کے جواب میں فرماتے ہیں: ہم تمہاری بات کو تسلیم جب کریں گے کہ تمہارے پاس عقل بھی ہو۔ ہم دیکھیں گے کہ تمہارے پاس عقل بھی صحیح ہے یا نہیں؟ اس لیے کہ اگر عقل صحیح نہیں ہے، تو اچھی چیز کو بھی بری سمجھے گا اور بری کو اچھی سمجھے گا۔ جس طرح کسی کی آنکھ کی روشنی صحیح نہ ہو، بھینگا ہو (کانا ہو) تو اس کو ایک، دو نظر آئیں گے، حالاں کہ چیز ایک ہے، تو اس کی آنکھ کا قصور ہے، چیز کا قصور نہیں ہے۔ جیسا کہ چمگادڑ کو دن میں نظر نہیں آتا تو اس میں سورج کا کیا قصور؟ تو مولانا فرماتے ہیں: کہ دل کی آنکھ کا نام عقل ہے۔

عقل کی صحت پر ایک مثال:

دل کی آنکھ صحیح ہے، اس کی پہچان کیا ہے؟ اس کے متعلق امام غزالیؒ نے بڑی عمدہ مثال دے کر اس بات کو سمجھایا ہے۔ ایک دستر خوان ہے اس پر عمدہ قسم کے کھانے ہیں، بہترین قسم کی نعمتیں موجود ہوں اور لوگ اس کے ارد گرد بیٹھے ہوں، اب ان میں ایک آدمی تو وہ ہے جس کے آنکھ کی روشنی سلامت ہو، وہ ان نعمتوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی کیسی اعلیٰ نعمتیں عطا فرمائیں۔ یہ کباب ہے، یہ بریانی ہے، یہ مٹھائی ہے، یہ فروٹ ہے، اس کا مزہ الگ، اس کی خوشبو الگ۔ اور ایک آدمی اسی دستر خوان پر بیٹھا ہے مگر آنکھ سے نابینا ہے، اندھا ہے، اسے کوئی نعمت کا احساس نہ ہوگا۔ فرمایا: ٹھیک اسی طرح جس کے دل کی آنکھ صحیح ہے وہ یہ معلوم کر لے گا کہ نکاح صحیح ہے اور زنا غلط ہے، وہ شربت میں اور شراب میں فرق کرے گا۔ اگر وہ نکاح اور زنا کو برابر سمجھتا ہے، تو معلوم ہوا کہ اس کے دل کی آنکھ صحیح نہیں ہے۔

انبیاءؑ سے بڑھ کر کوئی عقل مند نہیں ہوتا:

اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ انبیاءؑ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی عقل مند نہیں۔ امام احمد بن مسکویہ جو دنیا کے ایک بہت بڑے عالم گذرے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: اس کی دلیل یہ ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے بڑے بادشاہ گذرے ہیں، بڑے بڑے مالدار اور امراء گذرے ہیں۔ انہوں نے بڑے بڑے رفاہی کام کئے ہیں، بڑے بڑے انعام تقسیم کئے ہیں، روڈ بنائے ہیں، ہسپتال بنائے ہیں، لیکن پھر بھی دنیا ان کی گرویدہ اور عاشق نہیں ہوتی، کچھ دن ان کے گن گاتے ہیں پھر ختم۔ اس کے برخلاف انبیاءؑ کو دیکھئے: وہ تنگ دستی کی حالت میں تھے، فقر و فاقہ کی حالت میں تھے، تکالیف کی حالت میں تھے، لیکن انبیاءؑ کی جو عظمت ومحبت لوگوں کے دلوں میں ہے، ایسی محبت و عظمت کسی کی نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ عقل مند انبیاءؑ ہی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مسلمان کے دل میں:

اور آپ دیکھئے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کو آج چودہ سو سال ہو چکے ہیں، آج ہماری حالت چاہے جیسی بھی ہو، کتنے ہی گنہگار کیوں نہ ہوں، شرابی سے شرابی مسلمان اور گنہگار سے گنہگار مسلمان لیکن اس کے دل میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت ایسی کہ دنیا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ آ گیا تو وہ اپنے جان کی بازی لگا دے گا۔ یہ محبت عقل کی وجہ سے ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر محبوبیت ختم ہو گئی:

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے ایک بڑا عجیب نکتہ لکھا ہے، جس طرح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوگئی **"لا نبی بعدی"** [آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔] قرآن نے بالکل صاف فیصلہ کر دیا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ آسمان سے تشریف لائیں گے، آپ پیدا نہیں ہوں گے، اور آسمان سے تشریف لانے کے بعد عیسائی مذہب کی تبلیغ نہیں کریں گے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شریعت کو نافذ کریں گے۔ امام مہدیؑ آپ کو امام بن کر نماز پڑھانے کی درخواست کریں گے، تو آپ فرمائیں گے: امام بن کر نہیں آیا ہوں۔ میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بن کر آیا ہوں۔ لہذا آپ نماز پڑھایئے، اور امام مہدیؑ امام بن کر نماز پڑھائیں گے۔ آپ کی نبوت قائم رہے گی، مگر اپنی شریعت نافذ نہیں فرمائیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر عمل بھی فرمائیں گے، اور اسی کو نافذ بھی فرمائیں گے۔ پاکستان کا پرائم منسٹر یہاں آجائے تو اس کی پرائم منسٹری ختم نہیں ہوگی، مگر یہاں آنے کے بعد اس کو یہاں کے قانون کی پابندی کرنا ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **"لو کان موسیٰ حیا لما وسعه الا اتباعی"** (مشکوٰۃ:۱/۳۲) [اگر موسیٰؑ بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے بغیر چارہ نہیں تھا۔] تو قرآن نے صاف اعلان کر دیا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ
(الاحزاب:۴۰)

[محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں، اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں۔] یہ حضرت تھانویؒ کا ترجمہ ہے، کتنا آسان اور معنیٰ خیز ترجمہ ہے۔ تو جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوگئی، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر محبوبیت بھی ختم ہوگئی۔ اب آپ کے بعد آپ جیسا دنیا

میں کوئی محبوب نہیں ہے، تو چودہ سو سال کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مسلمانوں کے دلوں میں ہے۔ دنیا اس کی مثال پیش نہیں کرسکتی۔ لیلیٰ کا چاہنے والا ایک مجنون تھا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہنے والے اور آپ پر اپنی جان فدا کرنے والے ایک نہیں کروڑوں ہیں، پورے عالم کے مسلمان ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق پورے عالم کے مسلمان ہیں۔

شریعت اور عقل کا تقابل:

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی بڑی عجیب بات لکھی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: شریعت کی جتنی باتیں ہیں، وہ خلاف عقل نہیں ہیں۔ ہاں! اگر وہ بات ہماری عقل میں نہیں آتی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ عقل کے خلاف ہے، بلکہ یوں کہیں گے کہ وہ ہماری عقل سے ماوراء ہے، مافوق العقل ہے۔ ہماری عقل کی شریعت اور وحی کے مقابلہ میں کیا حیثیت ہے؟ عقل کی ایک حد ہے، ہم اپنی عقل پر شریعت کو نہیں جانچ سکتے۔ وحی اور شریعت کی حیثیت بہت اعلیٰ ہے۔ تو اگر وہ ہماری عقل میں نہیں آرہی ہے تو یوں سمجھنا چاہیے کہ ہماری عقل کی رسائی وہاں تک نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے شریعت کے اس حکم کو نہ ماننا یا اس میں کسی قسم کا شک شبہ کرنا یہ بالکل درست نہیں، سراسر غلط ہے۔ ایسے موقع پر اپنی عقل اور سمجھ کو بالائے طاق رکھ کر شریعت کے حکم کو بلا چوں و چرا تسلیم کرلینا ہی عین ایمان ہے۔ اپنی عقل کا قصور سمجھے شریعت پر رائے برابر بھی نکتہ چینی نہ کرے، ورنہ ایمان خطرہ میں پڑ جائے گا۔ عقل شریعت کے تابع ہے، شریعت عقل کے تابع نہیں۔ گو شریعت خلافِ عقل بھی نہیں ہے، مگر میری اور آپ کی عقل کی رسائی وہاں تک نہیں ہے۔

عقل میں کھوٹ ہے:

علماء ربانین نے لکھا ہے: **”ما عقل الانسان عن السیئات وحض القلب علی الحسنات“** کہ جس آدمی کی عقل اسے برائی سے نہ روکے اوراس کے دل کو نیکی کی طرف آمادہ نہ کرے تو سمجھ لو اس کی عقل میں کھوٹ ہے، عقل میں کمی ہے۔اور ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **”ما قسم اللّٰہ بین عبادہ خیراً من العقل“** اوکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام۔کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے درمیان جو چیز تقسیم کی ہے ان میں سب سے بہتر چیز اور سب سے بہتر خزانہ عقل ہے۔

انسان میں عقل اور شہوت دونوں ہیں:

اب اللہ تعالیٰ کی چار مخلوقات ہیں۔۱......فرشتے (ملائکہ)،۲......دوسرے جانور (بہائم)،۳......نمبر تین: انسان،۴......نمبر چار: جنات۔فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے بلا شہوت۔کسی چیز کی ان کے اندر خواہش نہیں، کسی طرح کی شہوت نہیں۔ برخلاف جانور؛ ان میں شہوت ہے، عقل نہیں ہے۔اور انسان و جنات کو دونوں چیزیں دی ہیں۔ عقل بھی دی ہے اور شہوت بھی دی ہے۔اس سے آپ کو ایک مسئلہ سمجھانا چاہتا ہوں۔

یہ انسان جس کو اللہ نے شہوت بھی دی ہے اور عقل بھی، اگر یہ انسان شہوت پر کنٹرول کرتا ہے، اللہ کی مرضی کے خلاف اسے استعمال نہیں کرتا ہے، جیسے اللہ کا حکم ہے کہ چوری کرنا گناہ ہے، اب خواہش اور کھانے پینے کی شہوت یہ چاہتی ہے کہ چوری کرے، شہوت یہ چاہتی ہے کہ مجھ کو مال زیادہ ملے، حلال طریقہ سے ملے یا حرام طریقہ سے، اسے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔اگر ایسے وقت اپنی شہوت پر کنٹرول کرے کہ حرام طریقہ سے

مال حاصل نہیں کرنا ہے یا جیسے نکاح اور زنا۔ اگر کوئی شخص اپنی خواہش کو نکاح کے بغیر پوری کررہا ہے تو یہ شہوت پر چلنا ہوا اور اگر شہوت چھوڑ کر اللہ کے حکم کے مطابق حرام کاری سے بچے اور نکاح کرلے تو یہ انسان فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے، اس نے اپنی خواہشات کو اللہ کے حکم پر قربان کیا ہے اور کڑوا گھونٹ پیا ہے، تو اس کا مقام فرشتوں سے اونچا ہوجاتا ہے۔ اور اگر خواہش پر چلے اور شریعت کو اپنی خواہشات پر قربان کردے تو پھر یہ انسان جانوروں سے بھی بدتر ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا

(الاعراف:۱۷۹)

[اللہ نے ان کو قلوب دئے؛ لیکن وہ سمجھتے نہیں ہیں، ان کو آنکھیں دیں؛ مگر وہ دیکھتے نہیں ہیں، اور ان کو کان دئے؛ مگر وہ اس سے سنتے ہی نہیں ہیں۔] ایسے لوگوں کے متعلق قرآن کہتا ہے: "**اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ**" [یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں۔] قرآن اتنا کہہ کر خاموش نہیں رہا، بلکہ اس کے بعد فرمایا: "**بَلْ هُمْ اَضَلُّ**" [یہ لوگ جانور سے بھی بدتر ہیں۔] تو یہ ایمان والا بندہ جس کو اللہ نے عقل بھی دی ہے اور اس کے اندر شہوت بھی رکھی ہے، تو جب یہ اللہ کے لیے اپنی خواہشات کو فنا کردیتا ہے اور اپنی شہوتوں پر کنٹرول کرلیتا ہے، تو پھر اس کا مقام فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے۔

مؤمن کے اخلاص کے ساتھ ایک سجدہ کی قیمت:

میرا ایک جملہ بالہم کے دوستو آپ کو یاد ہوگا، بہت سی مرتبہ یہ بات کہی ہے کہ ایمان والے کا اخلاص کے ساتھ ایک سجدہ جبرئیلؑ کے سجدہ سے بڑھ سکتا ہے، اس لیے کہ

حضرت جبرئیلؑ کی بیوی ہی نہیں کہ وہ بیمار ہوں، ان کا بیٹا ہی نہیں کہ وہ بیمار ہوں، حضرت جبرئیلؑ کے سر میں کبھی درد نہ ہوگا، ان کو کوئی خواہش نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو معصوم بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان کے متعلق فرمایا:

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ. (التحریم: ٦)

[فرشتے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے، اور جو ان کو حکم دے دیا گیا بس وہی کرتے ہیں۔]

یہ بالہم مسجد ہے، اس میں یہ ستون ہے، جب سے یہ مسجد بنی ہے اس وقت سے یہ ستون ہے، اب کوئی شخص یوں کہے یہ ستون بڑا نیک ہے، اس نے کبھی آنکھ کا زنا نہیں کیا، کبھی جھوٹ نہیں بولا، کبھی غیبت نہیں کی، کبھی غیبت نہیں سنی، کبھی گالی گلوچ نہیں کیا، اور مسجد میں امام کے آگے رہتا ہے، بڑا نیک ہے۔ فرمایئے! کوئی شخص ایسا کہتا ہے؟ کوئی ایسا نہیں کہتا ہے، اس لیے کہ اس میں ایسی کوئی چیز ہے ہی نہیں؛ لیکن اگر کوئی ایمان والا میرے اور آپ جیسا کوئی گنہگار، اگر وہ آنکھ کے زنا سے بچے، جھوٹ سے بچے، غیبت سے بچے، ہر قسم کے گناہ سے بچے، تو یہ کمال ہے۔ فرشتے اگر سجدہ میں رہیں اور عبادت کرتے رہیں تو یہ کمال نہیں، کیوں کہ ان کے اندر خواہش ہی نہیں۔ ایک نابینا اگر آنکھ کے زنا سے بچے تو یہ کوئی کمال نہیں، آنکھ والا بچے یہ کمال ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ـــــ:

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ای
و باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

سمندر کی موجوں میں لا کر مجھے کھڑا کر دیا اور اس کے بعد مجھ سے کہتے ہو کہ

ہوشیار رہنا، دامن پانی میں تر نہ ہو۔ یہ بہت مشکل ہے؛ مگر جو اس میں اپنا دامن بچالے تو وہ بہت بڑا انسان ہے اور کامیاب ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان اس دنیا میں رہے، خواہشات اس کے آگے پیچھے ہوں، اوپر نیچے ہوں اور وہ اس حال میں بھی اپنی خواہش پر کنٹرول کرے، تو یہ بہت بڑا کامیاب مسلمان ہے۔

تو چار مخلوق اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہیں۔ فرشتوں کو اللہ نے عقل دی شہوت نہیں دی، حیوانوں اور جانوروں کو اللہ نے شہوت دی؛ عقل نہیں دی اور جن وانس کو عقل بھی دی ہے اور شہوت بھی دی۔ اگر وہ شہوت پر کنٹرول کرتا ہے تو اس کا مقام فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے اور اگر شہوت اور خواہش پر چلتا ہے اور اللہ کی دی ہوئی عقل سے کام نہیں لیتا ہے تو جانوروں سے نیچے گر جاتا ہے۔ تو عقل کی کچھ بات بھی عقل میں آ رہی ہے یا نہیں؟

نظر اللہ پر رکھو:

حضرت تھانویؒ سے کسی نے کہا: کہ یورپ والے بڑی ترقی کر رہے ہیں، کیسی کیسی چیزیں انہوں نے ایجاد کی ہیں!!!

تو حضرت تھانویؒ نے فرمایا: یہ ایجادات عقل کی وجہ سے ہیں، اور عقل کی باگ دوڑ اور اس کی پکڑ اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا نظر اللہ پر رکھو، یورپ والوں پر مت رکھو۔

انبیاءؑ نے سائنسی ایجادات کیوں نہیں کیں:

ایک بھائی نے مجھ سے سوال کیا اور بڑا عجیب سوال کیا: کہ انبیاءؑ نے سائنسی ایجادات کی ہیں؟ کوئی نبی ایسا آیا ہے جس نے کوئی چیز ایجاد کی ہو؟

میں نے کہا: یہ سب چیزیں عقل کی وجہ سے ہیں، اور انبیاءؑ جو چیز لے کر آتے ہیں وہ عقل سے مافوق ہے، جہاں کسی کی عقل کی پہنچ نہیں۔ ان چیزوں کے لیے صرف عقل کی ضرورت ہے، یہ کام تو عقلاً بھی کر سکتے ہیں، ان کے لیے انبیاءؑ کی ضرورت ہی نہیں۔ انبیاءؑ تو عقل سے اوپر کی چیز یعنی وحی لے کر آئے ہیں۔ دنیا و آخرت کے لیے نجات کا ذریعہ ہے۔ دنیوی ایجادات کی حقیقت اس وحی الٰہی کے مقابل کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔

تمام احکامِ شریعت عقل کے مطابق ہیں:

باقی اگر آپ مطالعہ کریں قرآن وحدیث کا، تو انبیاءؑ کی جو شریعت ہیں وہ سب عقل کے مطابق ہیں۔ اللہ کی جتنی بھی عبادات ہیں سوائے ایک حج کے؛ اس کے فلسفہ کو میں نے کئی بار آپ کے سامنے بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ جتنی بھی عبادات ہیں وہ سب عقل کے مطابق ہیں۔ مثلاً: روزہ کا مقصد قہر نفس ہے۔ ایک آدمی اگر بیمار ہو، ایک سو ڈگری بخار ہو تو کیا وہ مستی، طوفان کرے گا؟ نہیں۔ وہ تو اس وقت اللہ اللہ کرے گا۔ تو روزہ کا حکم دیا کہ پیٹ خالی ہوگا تو نفس مقہور ہوگا، مغلوب ہوگا، نفس پر کنٹرول آئے گا، اس کے لیے روزہ کا حکم دیا۔ دل میں بخل کا مادہ ہے اس کو دور کرنے کے لیے زکوٰۃ کا حکم دیا۔

ہم اطاعت کے جذبہ سے ہر حکم پر عمل کریں:

لیکن ہم ایک بات بہت توجہ سے سنیں اور اس کو یاد رکھیں، ہم خود کو اللہ کا بندہ سمجھیں، اللہ تعالیٰ کے احکام ہماری عقل میں آئیں یا نہ آئیں، ہمارا اس میں دنیوی فائدہ ہو یا نہ ہو ہم تو اسے اپنے رب کا حکم سمجھ کر دل سے، شوق سے، اطاعت کے جذبہ سے عمل

کرنے والے بنیں۔ اس میں ہماری بندگی اور عبدیت کا مظاہرہ ہے، ہم تو بس اللہ کے حکم کو پورا کرتے رہیں، اس پر ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ بے حد خوش ہوں گے۔

بیٹھ کر تین سانس میں پانی پینے کی حکمت:

آج سے چودہ سو سال قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی تھی، کہ بیٹھ کر پانی پیو، تین سانس میں پیو، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر پیو، آخر میں دعا پڑھو، اور ایک دعا بھی سکھائی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَقَانِیْ عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهٖ وَلَمْ يَجْعَلْهُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا.

[اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو شیریں اور ٹھنڈا پانی پلایا اپنی رحمت سے اور اس کو ہمارے گناہوں کی وجہ سے کھارا اور کڑوا نہیں بنایا۔]

بنی اسرائیل پر عذاب آیا تھا، جو چیزیں بھی کھانے پینے کی اٹھاتے اور منہ میں رکھتے تھے وہ خون بن جاتا تھا۔ اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمارے گناہوں کے باوجود یہ پانی شیریں اور میٹھا رکھا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی کھڑا ہو کر پانی پیئے۔ آج کی جدید سائنس نے اس پر تحقیق کی اور اس کے بہت سے نقصانات بیان کیے ہیں۔

مثلاً: ۱...... بعض اطباء نے لکھا ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے سے پیٹ میں درد اور اعصاب میں ضعف پیدا ہوتا ہے، اور معدہ وجگر میں ایسی بیماریاں پھیلتی ہیں جن کے

علاج سے ڈاکٹر عاجز آجاتے ہیں۔

۲......کھڑے ہوکر پانی پینے سے پاؤں پر ورم کا خطرہ بھی ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں جسم کے دیگر اعضاء بھی متاثر ہوتے ہیں۔

۳...... کھڑے ہوکر پانی پینے سے استسقاء جسے آپ حضرات انگلش میں (Oedema) کہتے ہیں، ہوجاتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر کھڑے ہوکر پانی پینے والا اس کا نقصان جانتا تو پانی پی کرتے کر دیتا اور کھڑے کھڑے پانی پینا یہ وقار کے بھی منافی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ کھڑے ہوکر پانی پینا حرام ہے، مگر یہاں اکثر دوستوں، بھائیوں کو دیکھا ہے کہ انگریزوں کی نقل کرتے ہوئے کھڑے کھڑے کھاتے پیتے ہیں۔ البتہ اگر سخت ضرورت ہو تو کوئی مضائقہ بھی نہیں۔ چنانچہ زمزم کا کھڑے ہوکر پینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اسی طرح وضو کا بچا ہوا پانی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پیا ہے۔

ایک سانس میں پانی نہ پیو:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم اونٹ کے مانند ایک سانس میں پانی نہ پیو، بلکہ دو سانسوں اور تین سانسوں میں پیو۔

(ترمذی شریف)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی پینے میں تین سانس لیا کرتے تھے۔ مسلم شریف کی ایک روایت میں اتنا اور زیادہ ہے کہ اس طرح پینا

زیادہ سیراب کرنے والا، زیادہ تندرستی بخشنے والا، اور زیادہ گوارا ہے۔
(مشکوٰۃ)

آج کی سائنسی تحقیق یہ کہتی ہے: کہ ایک دم بغیر سانس لیے گٹاگٹ پانی چڑھا جانے سے ایک تو اُچھو لگنے کا (گجراتی میں جسے انترئی گیو کہتے ہیں) خدشہ ہے۔

۲......سخت پیاس کی حالت میں ایک دم ایک سانس سے پانی پینے سے استسقاء (Oedema) کا مرض لاحق ہونے کا خطرہ ہے۔ اور بعض وقت موت تک آدمی کو پہنچا دیتا ہے۔

۳......ایک سانس میں پانی پینے سے بعض مرتبہ نالی میں جا کر نظام تنفس (Respiratory) میں اٹک جاتا ہے، اور کبھی اس سے موت بھی واقع ہو جاتی ہے، کیوں کہ پانی کی لہر دماغ کے (Meninges) پردوں پر پڑتی ہے، کیوں کہ پانی کی لہر دماغ کے پردوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ دماغ میں فلوئڈ (Fluid) ہے، اور اس کی نسبت پانی سے ہے۔ اگر آہستہ پانی پیا جائے تو مضر اثرات کبھی دماغ پر نہیں پڑیں گے۔ معدے میں ایک ساتھ زیادہ مقدار میں پانی چلا جائے تو اس کی اندرونی کیفیت میں پھیلاؤ ہوتا ہے۔ اب اگر یہ پھیلاؤ اوپر کی سطح سے ہو تو دل (Heart) اور پھیپھڑوں (Lungs) کو نقصان کا خطرہ ہے۔ دائیں طرف کی صورت میں جگر (Liver) کو نقصان دیتا ہے۔ بائیں طرف ہو تو تلی (Spleen) کو نقصان دیتا ہے۔ اگر نیچے کی طرف ہو تو آنتوں (Intestines) پر دباؤ پڑتا ہے۔ اسی طرح پانی میں پھونک مارنے سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ آج ہم موجودہ سائنس کی نئی نئی تحقیقات کے دلدادہ اور گرویدہ ہیں، مگر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے اسے دنیا کے

سامنے پیش کیا ہے، مزید معلومات حاصل کرنا ہو تو حکیم محمد طارق چغتائی صاحب کی کتاب ''طبِ نبوی وجدید سائنس'' کا مطالعہ فرمائیں۔ یہ چند باتیں تو میں نے بطور مثال پیش کیں۔

تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ طریقہ سکھایا کہ پانی بیٹھ کر پئیں، تین سانس میں پئیں، آج کی سائنس نے اس پر ریسرچ کیا اور اس کے بعد کہا کہ بیٹھ کر پانی پینا اندر کے حصوں کے لیے بہت مفید ہے، کھڑے ہو کر پینے سے پانی اندر جا کر لگتا ہے اور اس سے نقصان ہوتا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین سانس میں پیو، ایک سانس پی کر گلاس ذرا منہ سے ہٹا دو، پھر دوسرا، پھر تیسرا کہ تم میں اور جانوروں میں فرق ہو جائے۔ ایک سانس میں گٹا گٹ پانی پی جانا حرص کی دلیل ہے، بے صبری کی علامت ہے اور صحت کو بھی نقصان دیتا ہے اور ایک سانس میں پانی سے سیرابی بھی نہیں ہوگی۔

ایک لطیفہ:

ایک صاحب دعوت میں گئے، میزبان نے کچھ ڈرنک پیش کیا۔ مہمان نے ایک ہی گھونٹ میں صاف کر دیا۔ کوئی ساتھ میں تھے، انھوں نے کہا: کہ تین سانس میں پیو۔ اس نے کہا: کچھ حرج نہیں، دو گلاس اور لے لوں گا۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا کہ تین سانس میں پیو، اس میں حرص بھی نہیں ہے، سیرابی بھی ہو رہی ہے، معدہ کا اندرونی حصہ تکلیف سے بھی محفوظ، انسان اور جانور میں فرق بھی ہوگا۔

تین نعمتیں:

علامہ ابو یوسف ابن عبدالبرؒ کی کتاب ہے: "**بهجة المجالس**" ۔اس میں آپ نے ایک بات لکھی ہے، کہ حضرت آدمؑ جب دنیا میں تشریف لائے تو حضرت جبرئیلؑ ان کے پاس تین عطیے لے کر تشریف لائے ۔۱......عقل ۔۲......دوسری چیز دین۔ ۳......تیسری نعمت تھی حیا۔اور بعض روایتوں میں ہے عقل، دین اور علم۔ یہ نعمتیں لے کر آئے۔اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ان تین نعمتوں میں سے ایک نعمت آپ پسند کرلو۔ حضرت آدمؑ نے غور و فکر فرمایا، اور غور و فکر کے بعد آپ نے عقل کو پسند فرمایا۔ یہ نبی کی سمجھ ہوتی ہے۔

تو اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے دین اور حیا کو کہا: چلو اپنے ٹھکانے پر چلو۔

انھوں نے کہا: ہم نہیں جائیں گے، اللہ نے ہم کو عقل کے ساتھ لازم کر دیا ہے۔عقل کے ساتھ ہمارا تعلق چولی دامن کا ہے،لہٰذا جہاں عقل ہوگی وہاں دین اور علم و حیا بھی ہوگی۔تو تینوں چیزیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیں۔اس سے بھی عقل کا مقام معلوم ہوتا ہے۔

انبیاءؑ کی عقل پیدائشی طور پر منور ہوتی ہے:

بقول حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، انبیاءؑ کی عقل پیدائشی طور پر منور اور روشن ہوتی ہے، ان کی طبیعت ادھر ہی چلتی ہے جدھر علم ہو، کمال ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰؑ کے بارے میں فرمایا: ﴿**وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا**.﴾ [ہم نے بچپن ہی سے یحییٰ کو حکم بنایا تھا۔] حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں فرمایا: وہ گہوارے میں سے فرماتے ہیں:

اِنِّی عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا. وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا. (المریم: ۳۰، ۳۱)

مفسرین نے فرمایا: حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ کو بچپن میں اللہ نے نبوت عطا فرمادی تھی۔ دیگر انبیاءؑ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل مبارک کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا:

انبیاءؑ کی عقل عام انسانوں سے بہت بلند و بالا اور اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے، اس لیے کہ ان کی جو عقل ہے اس پر وحی اترتی ہے، علم اترتا ہے۔ تو جتنی عقل بڑی ہوگی اتنے ہی بڑے علوم بھی ان پر اتریں گے۔ اب میں اپنے اصلی مقصد پر آتا ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاءؑ کو ایسی کامل عقل عطا فرمائی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو پورے عالم کے نبی ہیں اور قیامت تک کے انسانوں کے آپ نبی ہیں، آپ سے قبل جو نبی آئے تھے وہ کسی خاص علاقہ کے لیے ہوتے تھے، جیسا کہ حضرت لوطؑ 'صدوم' کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے، حضرت شعیبؑ 'مدین' کی طرف ﴿وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا﴾ (الاعراف:۸۵) حضرت یونسؑ کو ایک لاکھ اور کچھ مزید انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا: ﴿وَاَرْسَلْنَاہُ اِلٰی مِئَۃِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ﴾ (الصّٰفّٰت:۱۴۷) حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔ تو کسی خاص خطہ کی طرف، کسی کو خاص قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔ سب نبی برحق ہیں، سب پر ہمارا ایمان ہے، ان پر جو کتابیں نازل ہوئیں وہ برحق ہے، اس پر ہمارا ایمان ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان نبیوں کو ایسی کامل اور اعلیٰ درجہ کی عقل عطا فرمائی تھی، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جن کے بارے میں اللہ

تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا. (سبا:۲۸)

[اور ہم نے آپ کو تمام انسانیت کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔]

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ. (الانبیاء: ۱۰۷)

[اور ہم نے آپ کو پورے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔]

اور کہیں ارشاد فرمایا:

قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف:۱۵۸)

[آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تمام انسانوں کے لیے اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔] سب کالوں اور گوروں کے لیے، سب ایشین سب یورپین کے لیے، پاکستانی ہوں، ہندوستانی ہوں یا دنیا کے کسی بھی خطہ کے رہنے والے ہوں، سب کے لیے میں رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اور ایک موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ارسلت الی الانس والجان“ [تمام انسانوں اور جناتوں کے لیے مجھے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔] اور قیامت تک کے انسانوں کے لیے مجھے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، قیامت تک اب کوئی رسول نہیں آئیں گے۔

قرآن میں پچھلے تمام علوم کا خزانہ ہے:

اور اللہ نے آپ پر جو قرآن نازل فرمایا، پچھلی تمام کتابوں اور پچھلے تمام علوم کا

خزانہ اس قرآن پاک میں ہے، اور پھر ایسی کتاب عطا فرمائی، جس میں قیامت تک کی تمام پریشانیوں کا، ساری مشکلات کا حل ہے۔

ہم قرآن پڑھیں اور سمجھیں تو معلوم ہوگا کہ قرآن میں کیا کیا علوم ہیں، مگر ہمیں قرآن سے ذوق نہیں ہے تو ہمیں معلوم ہی نہیں کہ قرآن میں کیسے کیسے خزانے اور علوم و معارف ہیں۔ جیسے حضرت مولانا ابرار احمد دھلیویؒ ایک مثال سے سمجھاتے ہیں کہ پوسٹ مین اپنے ساتھ تھیلا لے کر گھومتا ہے، اسے کیا معلوم کہ اس تھیلے کے اندر خطوط میں کیا ہے؟ حالاں کہ خط میں پتہ نہیں کیا کیا خبریں ہوں گی؟ کچھ ایسے خط ہوں گے جن میں خوشی کی خبریں ہوں گی، شادی کی خبر ہوگی، بچہ پیدا ہوا ہے اس کی خوش خبری ہوگی اور کچھ خط ایسے ہوں گے جن میں غم اور رونے کی خبر ہوگی کہ فلاں صاحب دنیا سے چل بسے مگر پوسٹ مین کو کچھ خبر نہیں۔ ہمارا حال بھی بالکل پوسٹ مین جیسا ہے، ہمارے پاس قرآن ہے، اور قرآن میں ہماری تمام مشکلات کا حل موجود ہے، کون سی چیز ہمارے فائدہ کی ہے، کون سی چیز نقصان کی وہ بھی قرآن میں ہے، ہماری فلاح و بہبودی کا راز قرآن میں ہے، قرآن میں خوشی کی خبریں بھی ہیں، غم والی خبریں بھی ہیں، جنت کا ذکر کرو تو آدمی کا دل پھڑک جائے، جہنم کا ذکر آئے تو انسان کا دل کانپ اٹھے، کبھی اللہ کی رحمت کا بیان، کبھی اللہ کے عذاب کا بیان ہے لیکن ہمیں معلوم ہی نہیں، کیوں کہ ہمیں فکر ہی نہیں ہے کہ ہم قرآن کو جانیں، قرآن کو سمجھیں۔

تو جو قرآن قیامت تک کے لیے نسخۂ کیمیا ہے اور جس میں تمام علوم کے خزانے ہیں، ایسی جامع کتاب اور آخری کتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی، تو اندازہ لگا لو

کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کس قدر کامل اور اعلیٰ درجہ کی اور کتنی بڑی ہوگی۔ سبحان اللہ! حقیقت یہ ہے کہ ہم سوچ نہیں سکتے، اندازہ نہیں لگا سکتے، بیان نہیں کر سکتے، الفاظ کا دامن تنگ ہے۔

دنیا کے عقلاء وحکماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست ودانائی کے معترف ہیں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نظیر و بے مثال فراست ودانائی پر تمام دنیا کے عقلاء وحکماء معترف تھے اور ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل مبارک کے سامنے بڑے بڑے عقلاء کی گردنیں جھک جاتی ہیں، جیسے کہ عالم وہ ہے جس کے سامنے علماء کی گردنیں سرنگوں ہو جائیں۔

اس دعویٰ پر دلیل ایک مثال سے:

اور اس دعویٰ کی دلیل ایک مثال سے یوں سمجھ لو کہ کوئی شخص دعویٰ کرے کہ میں طبیب حاذق ہوں، تو اب کیسے معلوم ہو کہ یہ شخص اپنے دعویٰ میں حق بجانب ہے یا اس کا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے؟ تو اس کو پرکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ لوگ اس کے مطب (Clinic) میں جاتے ہیں۔ اگر اس کے علاج سے شفایاب ہو کر آتے ہیں تو لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ طبیب حاذق ہے ورنہ نہیں۔ بس بالکل ٹھیک اسی طرح سمجھو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں ایک مطب کھولا۔ اب جو بت پرست مشرک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا رہا ہے، وہ پکا موحد اور خدا پرست ہو کر نکل رہا ہے۔ جو لوگ ظلم و بربریت کے عمیق غاروں میں ڈوبے ہوئے تھے وہ عدل وانصاف کے خوگر بن رہے

ہیں۔ جو بے شرمی، بے حیائی اور بدتمیزی کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے، وہ شرم وحیا کا پیکر بن رہے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو جنگ وجدال سے نجات دلا کر امن و صلح وشانتی کا گہوارہ بنادیا۔

مریض شفایاب ہو کر نہیں بلکہ طبیب بن کر نکل رہا ہے:

اور فقط اتنا ہی نہیں کہ مریض مرض سے شفایاب ہو کر نکل رہا ہے، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتزکیہ کی برکت سے طبیب بن کر نکل رہا ہے۔ یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطب کا حال، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کامل واکمل ہیں کہ جو مریض بھی آپ کے پاس پہنچ جائے اس کے مرض کا علاج آپ کے پاس ہے۔ مرض جڑ سے نکل جائے اور وہ مریض کامل شفایاب ہو جائے۔ اس کے باوجود بھی اب بھی اگر کسی کو آپ کے طبیبِ کامل واکمل ہونے میں شک ہے تو سمجھ لو کہ وہ عقل ودانش سے کورا ہے۔

علاج کرانا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر جھکا دو:

حضرات گرامی قدر! اگر کسی کو اپنی بیماریوں اور اپنے باطنی امراض اور روحانی روگ کا علاج کرانا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر جھکا دے، ورنہ اپنے مرض پر راضی رہے، کیوں کہ مریض اپنا علاج خود نہیں کرسکتا ہے، خود اگر علاج کرے گا معلوم نہیں کیا نتیجہ نکلے گا؟

یہ سب ہمارے اکابر کا فیض ہے:

دوستو! میں آپ کے سامنے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم "**فداہ ابی و امی**" کی عقل مبارک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی امتیازی شان بیان کر رہا تھا۔

معروضات طویل ہوگئیں، مگر الحمد للہ بہت مفید اور کارآمد اور علمی باتیں آپ کے سامنے آ گئیں۔ اگر ان باتوں سے آپ کا ایمان تازہ ہوا اور آپ کے علمی ذوق کی تسکین ہوئی ہو تو اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ بندہ تو آپ حضرات کے سامنے اپنے اکابر کے ملفوظات اور ان کی باتیں آسان و سادہ زبان میں پیش کرتا ہے۔ یہ بیان بھی میں نے اپنے استاذ حضرت مولانا شمس الدین صاحب افغانیؒ کے استاذ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کے ''مواعظ حسنہ'' اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے خطبات سے تیار کیا ہے، اور دیگر اکابر کے علوم سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اللہ پاک ہمارے اکابر علماء کو جزاء خیر عطا فرمائے اور ان کی قبروں کو نور سے بھر دے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ تو یہ سب ہمارے اکابر کا فیض ہے۔

عقل کا نور حق تعالیٰ سے ہے اور اس کا پرتو انبیاءؑ پر پڑا:

علماء نے لکھا ہے کہ عقل کا نور حق تعالیٰ کی طرف سے چلا اور اس کا پَرتَو سب سے پہلے انبیاءؑ پر پڑا، اور انبیاءؑ کی عقل کا پرتو زمین پر پڑا۔ گویا یوں سمجھئے کہ عقل کا سرچشمہ آفتاب ہے، اور انبیاءؑ بمنزلہ چاند کے ہیں، اور فلاسفہ کا مسلم اصول ہے: ''نور القمر مستفاد من نور الشمس'' یعنی چاند کا نور آفتاب کے نور سے مستفاد ہے۔ حضرات انبیاءؑ کا نورِ عقل نورِ خداوندی سے مستفاد ہے، اور باقی عالم بمنزلہ زمین کے ہے۔

دنیا کے عقلاء کی عقلیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل مبارک کے سامنے ریت کا ایک ذرہ ہے:

قاری انیس احمد خان فیض آبادیؒ نے ''شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' میں لکھا

ہے: امام ابونعیم نے حلیہ میں اور ابن عساکر نے وہب بن منبہ سے روایت نقل کی ہے، آپ فرماتے ہیں: کہ میں نے ستر کتابوں کا مطالعہ کیا، ان سب میں یہ لکھا ہوا پایا کہ جو عقل وفہم اللہ تعالیٰ نے حضور انورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے، اس کی عظمت و رفعت کا یہ عالم ہے کہ ابتداء آفرینش سے لے کر انتہائے دنیا تک کے عقلاء کی عقلیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل مبارک کے مقابل ریت کا ایک ذرہ نظر آتی ہیں۔

و ان محمداً ارجح الناس عقلاً و ارجحهم رأياً.

[بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا کے انسانوں پر عقل ورائے کے لحاظ سے بھی ترجیح حاصل ہے۔]

عقل کے سو حصوں میں سے ۹۹ رحصے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ہیں:

عوارف المعارف میں بعض علماء سے منقول ہے کہ: پوری عقل کے سو حصے ہوں تو ان میں سے ننانوے حصے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں ہیں، اور ایک حصہ تمام انسانوں میں ہے۔

(سبل الہدیٰ: ص۳)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: اگر یوں کہیں کہ ہزار حصے ہیں، جن میں سے نو سو ننانوے (۹۹۹) حصے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اور ایک حصہ تمام انسانوں میں تو اس کی بھی گنجائش ہے، اس لیے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بے انتہاء کمالات ثابت ہیں، تو جو کچھ بھی کہا جائے گا بجا ہوگا۔

(مدارج النبوۃ)

وہب بن منبہ ؒ فرماتے ہیں: کہ خدا تعالیٰ نے جتنی عقل تمام عالم کو تقسیم کی، نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل ان سب سے برتر اور بالا ہے۔ دلیل اس کی قرآن کریم و احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اس میں غور کر کے دیکھ لو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو شریعت لے کر آئے ہیں، اس میں کیسی کیسی حکمت اور علم کی باتیں ہیں کہ عقلِ انسانی حیران رہ جاتی ہے، جس کے سامنے تمام حکماء کی حکمتیں بے حقیقت ہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حمیدہ اعظم واتم اور کامل ترین اخلاق ہیں، اور ان اخلاق کی اصل و منبع اور جائے نشو عقل ہے، کیوں کہ عقل ہی سے علم ومعرفت کے سوتے پھوٹتے ہیں، اور اسی سے رائے کی قوت، تدبیر میں جودت، فکر ونظر میں اصابت، انجام کار صحیح نتیجہ کی برآمد، مصالح نفس، مجاہدۂ شہوت، حسن سیاست و تدبیر، خوبیوں کی اشاعت اور رذائل سے اجتناب، جیسی صفات متفرع ہوتی ہیں۔

سب سے پہلا درس:

حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تو آپ کی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف تھی اور آپ کی نگاہ بھی آسمان کی طرف تھی۔ تو آتے ہی سب سے پہلے دنیا والوں کو توحید کا درس دیا، کہ تمہارا معبود ایک اللہ ہے۔ وہی عبادت کے لائق ہے۔ تو دنیا میں تشریف لاتے ہی توحید کی دعوت دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے:

اور آپ سیرت کا مطالعہ کیجیے، آپ کو معلوم ہوگا کہ نبوت سے قبل آپ نے کیسے کیسے فیصلے فرمائے، ایسے ایسے فیصلے فرمائے کہ بڑے بڑے عقل منداور دانا ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ دنیا کے سارے سائنسدان مل جائیں تو میرے آقا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

کی جوتیوں مبارک کی خاک کے برابر بھی ان کی عقلیں نہیں ہوسکتیں۔

حجر اسود کا مشہور واقعہ ہے، نبوت سے قبل کا واقعہ ہے، جب کفار مکہ نے بیت اللہ از سر نو تعمیر کیا تھا اور حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کا موقع آیا، تو ہر قبیلہ یہ خواہش کرتا تھا کہ یہ فضیلت اور شرف ہم کو حاصل ہو جائے، تلواریں نکل گئیں، ایک دوسرے سے بر سر پیکار ہو گئے، فیصلہ اس پر ہوا کہ کل صبح کعبۃ اللہ میں جو سب سے پہلے آئے اور وہ جو فیصلہ کرے سب اس کو منظور کریں۔ سب متفق ہو کر چلے گئے، رات کو سب سو گئے، اللہ نے سب کافروں کو سلا دیا، سارے کفار بعد میں آئے اور سب سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں تشریف لائے۔ جب سب آئے اور انہوں نے دیکھا کہ سب سے پہلے پہنچنے والے رسول اللہ ہیں، تو سب نے بیک زبان کہا: ان کا فیصلہ ہمیں دل و جان سے تسلیم ہے، آپ صادق بھی ہیں، امین بھی ہیں۔ آپ نے کتنا بہترین فیصلہ صادر فرمایا، ملاحظہ فرمائیے۔ آپ نے ایک بڑی چادر منگوائی، اس میں اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو رکھا، پھر ارشاد فرمایا: ہر قبیلہ اپنا ایک آدمی منتخب کر لے اور فرمایا: سب مل کر اس چادر کو اٹھاؤ، سب نے اٹھایا۔ ہر قبیلے کے سردار کا اٹھانا پورے قبیلے کا اٹھانا ہے، اٹھا کر اس کی جگہ پر لائے، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اٹھا کر حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھ دیا، سارا جھگڑا ختم ہو گیا اور سب خوش ہو گئے۔ خون خرابہ ختم ہو گیا۔ ابھی آپ کی بعثت نہیں ہوئی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عقل مبارک سے کتنا بہترین فیصلہ فرمایا۔

واقعہ (۲):

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر میں تھے، ایک کافر جاسوس آ گیا، حالات کا

جائزہ لے رہا تھا، صحابہ نے اس کو پکڑ لیا اور اس سے پوچھنا شروع کیا: کہ کفار کا کتنا لشکر ہے۔ وہ کہنے لگا: ”واللّٰہ انه لکثیر“ واللہ بہت بڑی تعداد ہے۔ لیکن صحیح اور معین تعداد نہیں بتا رہا تھا۔ صحابہ اس سے معین تعداد پوچھنا چاہتے تھے، اس میں آوازیں بلند ہوگئیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیمہ سے باہر تشریف لائے اور دریافت فرمایا: کیا بات ہے؟

صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کافروں کا جاسوس ہے، ہم اس سے ان کے لشکر کی تعداد پوچھ رہے ہیں، اور یہ بتلا نہیں رہا ہے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے چھوڑ دو۔

پھر آپ نے اس سے دریافت فرمایا: تم مکہ مکرمہ سے نکلے، راستہ میں کھانا وغیرہ کھاتے تھے یا نہیں؟

اس نے کہا: بالکل کھاتے تھے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کتنے اونٹ ذبح کرتے تھے؟

اس نے کہا: دس اونٹ ذبح کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوڑ دو اسے، ایک ہزار آدمی ہیں، اس لیے کہ ایک اونٹ میں سو آدمی کھانا کھا سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چٹکی میں اندازہ لگا لیا اور یہ فیصلہ آپ نے اپنی عقل مبارک سے فرمایا۔

واقعہ (۳):

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صحابی تشریف لائے اور کہا: میرا پڑوسی مجھے بہت تنگ کرتا ہے، بہت ستاتا ہے، میں نے اسے بہت سمجھایا، مگر وہ نہیں مانتا، آپ

اسے کچھ سمجھا دیں۔

توحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے سمجھانے کی کوئی ضرورت نہیں، تم ایک کام کرو، اپنے گھر کا سامان گھر کے باہر نکال دو، اور باہر ڈیرہ ڈال دو، اور اگر کوئی آئے اور پوچھے، گھر ہوتے ہوئے باہر کیوں پڑے ہو؟ تو اس سے کہنا میرا پڑوسی مجھے بہت تنگ کرتا ہے۔ اب وہ باہر آ گیا اور سارا سامان باہر نکال کر ڈیرہ ڈال لیا۔ اب کوئی آتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے یہ کیا؟ گھر کے باہر پڑے ہو تو وہ کہتا: کیا کروں، میرا پڑوسی بڑا ظالم ہے، مجھے بہت پریشان کرتا ہے، بہت ستاتا ہے۔

آنے والا کہتا: اس کا ستیاناس ہو، پڑوسی کو ستاتا ہے۔

دوسرا آیا اور اس نے بھی پوچھا: کہ بھائی باہر کیوں پڑے ہو؟

اس کو بھی یہی جواب دیا۔ جو آتا ہے اس کو یہی جواب دیتا ہے۔

پڑوسی یہ پورا منظر دیکھ رہا ہے، آخر میں وہ آیا، اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا: اللہ کے واسطے اپنے گھر میں آجا، میں تجھے کوئی تکلیف نہیں دوں گا، نہیں ستاؤں گا۔

اس طرح اس تدبیر سے وہ پڑوسی خود ہی اپنی حرکتوں سے باز آ گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ اپنی عقل مبارک سے فرمایا۔

واقعہ (۴):

امام بخاریؒ نے کتاب الوضوء میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ: ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ ایک دیہاتی آیا اور مسجد میں پیشاب کرنے لگا، صحابہ اس کو ڈانٹنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے چھوڑ دو، اچھی طرح

پیشاب کرنے دو، جب وہ پیشاب کر چکا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا، اور بہت محبت سے اسے سمجھایا: کہ یہ مسجد ہے۔ اللہ کا گھر ہے۔ یہ اللہ کی عبادت کے لیے ہے۔ پیشاب پاخانہ کے لیے نہیں ہے۔ آئندہ اس طرح مت کرنا۔ اور پھر آپ نے ایک ڈول پانی منگوایا اور اس پر ڈالا، زمین نے نجاست کو چوس لیا، خشک ہوگئی، تو زمین بھی پاک ہوگئی۔ اگر ہم ہوتے تو پتہ نہیں کیا کرتے، ڈنڈے سے مارتے، پیشاب تو ہوا تھا، پاخانہ نکال دیتے۔

ایک انگریز کا تبصرہ:

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ: ایک انگریز نے جب حدیث میں یہ واقعہ پڑھا، تو اس نے کہا: میں حیران ہوں، تمہارے نبی نے کتنا عقل مندانہ کام کیا۔ اگر اسے مارتے اور ڈانٹتے تو وہ بھاگتا، تو ایک جگہ نہیں پوری مسجد گندی ہو جاتی، اور اچانک اگر وہ پیشاب روک لیتا اور گھبرا کر روکتا تو بیماری بھی پیدا ہو جانے کا خطرہ تھا۔ تو اس کو بیماری سے بھی بچالیا، اور پوری مسجد ناپاک ہونے سے بھی بچالیا، اس سے بڑا عقل مند کون ہوسکتا ہے؟

طویل گفتگو سے تین سبق:

بزرگو! الحمدللہ یہ طویل گفتگو ہوئی، اس سے ہمیں کیا سبق لینا چاہیے یا یہ کہ تھوڑی دیر مزہ اور لطف لے کر ختم کر دیا جائے۔ یہ مقصد تو ان شاء اللہ کسی کا نہ ہوگا۔ ہم عمل کی ہی نیت سے بیٹھتے ہیں، اور ہر دینی مجلس میں اسی نیت سے شرکت کرنا چاہیے۔ آپ بزرگوں کی برکت سے میرے ناقص ذہن میں تین باتیں ہمیں اس بیان سے حاصل ہوئی ہیں۔

(۱) نعمتِ عقل کی قدر کریں:

ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بھی نعمتِ عقل عطا فرمائی ہے۔ سب سے پہلے تو اس کی قدر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قدر کی توفیق عطا فرمائے اور اس نعمت عظمیٰ کی قدردانی کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنی عقل کو صحیح استعمال کریں۔ جیسے میں نے عرض کیا تھا: **"ما عقل الانسان عن السیئات و حض القلب علی الحسنات"** یعنی عقلِ صحیح وہ ہے جو انسانوں کو برائیوں سے باز رکھے اور دل کو اچھے کاموں پر ابھارے۔ لہٰذا عقل کا صحیح استعمال یہی ہے کہ اس کو اچھے اعمال میں استعمال کریں، اعمالِ صالحہ کریں، اور عمل کے لیے سب سے اعلیٰ چیز قرآن مجید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن اسی لیے عطا فرمایا ہے، اور قرآن مجید میں کئی مقامات پر اس کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔ مثلاً ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ. (الزمر: ۲۱)

[بے شک قرآن مجید میں عقل مندوں کے لیے نصیحت ہے۔]

لہٰذا قرآن مجید کے احکامات سنیں اور ان کو سمجھیں اور ان پر عمل کریں۔ حقیقت میں جوہرِ عقل کی قدردانی یہی ہے۔

اہلِ جہنم کا حال:

ورنہ کہیں ہمارا حال بھی ایسا نہ ہو جیسے سورۂ ملک میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ جہنم کے احوال میں فرمایا ہے:

وَلِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ. اِذَا اُلْقُوْا فِیْهَا

سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ. تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ كُلَّمَا اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَا اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ.

[جولوگ اپنے رب کے منکر ہوئے ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے، اور بہت برا ٹھکانہ ہے۔ جب ان لوگوں کو دوزخ کے اندر ڈالا جائے گا تو اس کی خوفناک آوازیں سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی، قریب ہے کہ غصہ کی وجہ سے پھٹ پڑے۔ جب کوئی گروہ دوزخ میں ڈالا جائے گا تو اس کے داروغہ پوچھیں گے:] ﴿اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ.﴾ [کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ تو وہ جواب دیں گے:]

قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَاءَ نَا نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ.

[وہ جواب دیں گے: کیوں نہیں! سچ یہ ہے کہ ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا، مگر ہم نے اس کو جھٹلایا، اور ہم نے کہہ دیا: اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز نازل نہیں کی، تم بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔]

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ.

[اور وہ کہیں گے: کاش ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے۔]

(الملک:۶،۷،۸،۹،۱۰)

دیکھئے! اس آیت کریمہ میں دو باتیں اہل دوزخ کہیں گے: ﴿نَسْمَعُ﴾ [کاش ہم سنتے۔] ﴿اَوْ نَعْقِلُ﴾ [یا سمجھتے۔] تو انہوں نے حق بات نہ سنی اور نہ اس کو سمجھنے کی کوشش کی۔ جب سنا اور سمجھا ہی نہیں تو عمل کس طرح کریں گے؟

انسان کی فلاح کے لیے دو چیزیں ہیں:

تو انسان کی فلاح کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔ یا تو خیر خواہ کی بات سن کر اس پر عمل کرے، یا عقل سے خود غور و فکر کر کے اس پر عمل کرے۔ یہ دو ہی چیزیں ہیں۔ تیسرا کوئی راستہ نہیں، اس لیے ہمارے پیارے رب نے بار بار قرآن مجید میں یہ بات دہرائی ہے۔ ﴿اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ. اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ.﴾ [کیا تم سنتے نہیں ہو، کیا تم سمجھتے نہیں، کیا تم غور نہیں کرتے۔] ایک جگہ فرمایا: ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ.﴾ (الانفال:۲۲) [بیشک اللہ کے نزدیک بدترین خلائق وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں، گونگے ہیں جو کہ ذرا نہیں سمجھتے۔] یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل جیسا کمال درجہ کا جوہر عطا فرمایا، مگر اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے اور اس سے فائدہ نہ اٹھانے کی وجہ سے باوجود سماعت اور گویائی کے ہونے کے اللہ نے انہیں بہرا اور گونگا کہا، اس لیے کہ اس سے جیسا فائدہ اٹھانا چاہیے وہ نہیں اٹھایا تو یہ قوتیں نہ ہونے کے برابر ہو گئیں۔

(۲) عقل سے خوب فائدہ اٹھائیں:

اس لیے میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے جو جوہر عقل عطا فرمایا ہے، ہمیں چاہیے کہ اس سے خوب فائدہ اٹھائیں، اور عقل ہی کے اوپر مکلّف ہونے کا دار و مدار ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل نہیں دی، اس کو مکلّف بھی نہیں بنایا۔ چنانچہ تمام پاگل لوگ غیر مکلّف ہیں، بہائم بے عقل ہیں اس لیے غیر مکلّف ہیں۔ بچے، جب تک ان میں عقل نہیں آتی غیر مکلّف ہیں۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے نجات کا دار و مدار دو چیزوں پر رکھا ہے۔ یعنی خیر خواہ کی

بات سن کر اس پر عمل کرنا یا خود اپنی عقل سے کام لے کر اچھائی اور برائی میں تمیز کرنا۔

(۳) ہمارا شمار کس میں ہے؟ عقل مندوں میں یا بے وقوفوں میں:

تیسری بات اس تفصیل کو سن کر ہم سب کو اپنا جائزہ لینا ہے کہ ہمارا شمار آیا عقل مندوں میں ہے یا احمق اور بے وقوف لوگوں میں؟ ویسے تو ہر شخص اپنے کو دنیا کا سب سے بڑا عقل مند خیال کرتا ہے اور اپنے سامنے کسی کی کوئی حیثیت نہیں گردانتا خصوصاً اگر کسی نے دو چار ڈگریاں حاصل کر لی ہوں، تو اس کو تو گویا ''عقل مند'' ہونے کا سٹیفکیٹ (Certificate) مل گیا۔

ایمان کے بغیر کوئی عقل مند نہیں ہوسکتا:

ایک بات ذہن میں خوب اچھی طرح بٹھالیں، کہ ایمان کے بغیر کوئی عقل مند نہیں ہوسکتا۔ وہ عیار تو ہوسکتا ہے مگر عقل مند نہیں۔ قرآن کریم میں جہاں کہیں ﴿اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ. اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ. اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ.﴾ آیا ہے، یہ زیادہ تر کفار کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہم اپنا جائزہ لیں کہ ہم عاقل ہیں یا احمق؟

اب اگر میں آپ حضرات کو بے وقوف کہوں گا، تو آپ حضرات برا مانو گے اور اگر آپ مجھے احمق کہیں تو مجھے برا لگے گا، تو آیئے! ہم سب اللہ تعالیٰ کے فرمان قرآن میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان احادیث میں دیکھیں کہ ہم عاقل ہیں یا احمق؟ کیوں کہ آج ہم کتنے ہی گنہگار سہی، مگر قرآن وحدیث پر تو ہمارا ایمان ہے۔

ہم اپنا جائزہ لیں:

تو آیئے! ہم سب اللہ تعالیٰ کے قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے آئینہ میں اپنا اپنا جائزہ لیں کہ ہم آیا عقل مند ہیں یا بے وقوف؟ قرآن کریم میں ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ. (اٰل عمران: ۱۹۰)

[بے شک آسمان اور زمین کی تخلیق اور شب و روز کے اختلاف یعنی آگے پیچھے آنے میں البتہ عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔]

ظاہر بات ہے کہ اتنے بڑے بڑے آسمانوں اور اتنی وسیع وعریض زمین کی تخلیق کوئی معمولی بات نہیں۔ یہ وسیع وعریض کائنات کی پیدائش جن وانس اور کسی بڑے سے بڑے سائنسدان یا کسی بادشاہ کے بس کی بات نہیں۔ بڑی سے بڑی حکومتیں مل کر بھی یہ آسمان وزمین پیدا نہیں کرسکتیں۔ آسمان وزمین تو بہت بڑی بات ہے، بغیر مادہ کے ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ پھر اس زمین میں اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے دریا چلائے۔ سمندر پیدا کئے، بلند و بالا فلک بوس پہاڑوں کو پیدا کر کے ان میں انسانی فائدہ کے لیے معدنیات پیدا کئے، اور زمین میں پھل پھول سبزیاں اور اناج وغلے پیدا کئے۔ پھر موسموں کا تغیر، یہ سب ایک طویل سلسلہ ہے۔ کیا یہ سب خود بہ خود پیدا ہو گیا؟ اور کیا یہ پورا انتظام آٹومیٹک (Automatic) چل رہا ہے؟ کیا ان تمام چیزوں میں خدا وند قدوس کی قدرت کاملہ کے دلائل نہیں ہیں؟ صاحبانِ عقل وخرد کے لیے بے شمار دلائل موجود ہیں، بشرطیکہ غور وفکر کریں اور تدبر و تفکر سے کام لیں۔

انسان کا لب لباب اس کی عقل ہے:

"لبـــاب" جمع ہے "لُـــبّ" کی،اورلب کے معنیٰ ہیں مغز۔جیسے بادام، اخروٹ کے اندر مغز ہوتا ہے،اور وہی اصل جوہر ہوتا ہے،اوپر تو چھلکا ہوتا ہے۔اسی طرح انسان کا لب لباب اس کی عقل ہوتی ہے،جس کے ذریعہ وہ اپنی زندگی میں بڑے بڑے فیصلے کرتا ہے۔محنت ومزدوری،تعلیم وتعلم،تجارات وکاروبار، ہر چیز عقل پر موقوف ہے۔ نیکی وبدی،حق وباطل کی پہچان انسان اسی عقل سے کرتا ہے۔تو اللہ عزوجل نے انسان کو عقل جیسی عظیم الشان نعمت عطا فرمائی ہے،مگر وہ اسے بروئے کار لاکر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کرتا ہے۔

سائنس دانوں کا حال:

باقی رہے یہ مادہ پرست یعنی موجودہ سائنس دان،تو یہ دنیا کا چاہے جتنا بڑا کمال حاصل کرلیں،مگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات کے تاروں میں الجھ کر رہ جاتے ہیں۔اس حقیقت کو قرآن کریم میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

يَعۡلَمُوۡنَ ظَاهِرًا مِّنَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَهُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَةِ هُمۡ غٰفِلُوۡنَ. (الروم:۷)

[یہ لوگ دنیا کی ظاہری حالات کو اچھی طرح جانتے ہیں،اور آخرت سے یہ لوگ بالکل غافل ہیں۔] سائنس نے ٹیکنالوجی میں بڑی ترقی کی ہے،صنعت وحرفت میں بہت آگے جاچکے ہیں، چاند پر کمند ڈال رہے ہیں،مگر آخرت کے معاملات سے بالکل غافل ہیں۔ان کو دنیوی زندگی کی تو ہر قسم کی آسائش حاصل ہے،مگر دین سے بالکل کورے اور خالی ہیں۔ یہ لوگ عقلِ معاش کے بام عروج پر پہنچے ہوئے ہیں،مگر عقلِ معاد سے

بالکل خالی ہیں۔ ان کو کچھ پتہ نہیں کہ مرنے کے بعد بھی کوئی زندگی ہے اور وہاں دنیا کی اس زندگی کا پورا پورا حساب دینا ہے۔ اس لحاظ سے ان کو صرف دنیوی زندگی کی باغ و بہار حاصل ہے اور اسی میں مست ہیں۔ تو ان کو چاہے دنیا والے عقل مند کہیں گے مگر اللہ تعالیٰ کی نظر میں عقل مند نہیں۔

عقل مندوں کی پہلی علامت:

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عقل مند ان کو کہا، جو خالق عالم کے پیدا کردہ اس کائنات کے ارض و سماوات اور لیل و نہار کی گردش میں غور و فکر کر کے خالق کائنات کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ. (اٰل عمران: ۱۹۰)

[بے شک آسمان اور زمین کی تخلیق اور شب و روز کے اختلاف یعنی آگے پیچھے آنے میں البتہ عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔] اور آگے ان کی کچھ علامات بیان فرمائیں: ﴿الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ﴾ ان کی ایک علامت یہ بیان فرمائی کہ [یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ کھڑے، بیٹھے، لیٹے، اٹھتے۔] مطلب یہ کہ ہر حالت میں اور ہر وقت یادِ الٰہی اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔

جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے:
”کان یذکر اللّٰہ فی کل احیانہ“ [آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اوقات اپنے رب کو یاد

کرتے رہتے تھے۔] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وقت یادِ الٰہی کے بغیر نہیں گذرتا تھا۔

قبر کی تنہائی میں یہ ذکر کام آئے گا:

حضرت عمران بن حصین ؓ سے مروی ہے کہ: ذکر میں ہر قسم کی عبادت بھی شامل ہے، جو ہر وقت اور ہر جگہ کی جا سکتی ہے، اوراس کے علاوہ بھی ذکر کی عادت بنانا چاہیے۔ ہم زیادہ ذکر نہیں کر سکتے ،تو کم از کم صبح وشام کچھ وقت ضرور ذکر اللہ کے لیے نکالنا چاہیے۔ ذکر اللہ اس نیت سے کریں کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھے اور غیر اللہ کی محبت گھٹے۔ دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت پیدا ہو،اس کے دیدار کا ذوق وشوق پیدا ہو۔دنیا میں تنہائیوں میں اللہ کی یاد سے دل بہلانے کی عادت ڈالیں،قبر کی تنہائیوں میں یہ کام آئے گا۔جب دنیا میں خلوتوں میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل لگے گا،ان کی یاد سے دل کو سکون ملے گا،ان کے ذکر میں مزہ اور حلاوت نصیب ہوگی ،تو قبر کی تنہائی جہاں اللہ عزوجل کے سوا کوئی مونس نہ ہوگا، وہاں ان شاءاللہ یہ ذکرِ الٰہی معین ومددگار ہوگا۔پھر ان شاءاللہ قبر کی تنہائی کا احساس نہ ہوگا۔وہاں بھی دل اللہ عزوجل کے ساتھ وابستہ رہے گا،اس لیے ہمیں ضروری ہے کہ خلوت اور تنہائی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کریں۔ نیز ہر موقع مناسب کی دعاؤں کا پڑھنا بھی ذکر ہے،اس کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔کھانے کی دعا،سونے کی دعا،کپڑے پہننے کی دعا،گھر میں داخل ہونے کی،گھر سے نکلنے کی،چاند دیکھنے کی،نیا پھل کھانے کی، سواری پر سوار ہونے کی ہر موقع کی دعائیں حدیث شریف میں بتلائی گئی ہیں،ان کے پڑھنے کا بھی اہتمام ہونا چاہیے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو موقع مناسب کی دعاؤں کے پڑھنے کا پابند بنا دیوے،ذکر کی توفیق عطا فرماوے، اور ذکر میں ہمارا دل لگا دے اور ذکر کی

حلاوت نصیب فرماوے۔آمین

عقل مندوں کی دوسری علامت یہ بتلائی گئی کہ وہ آسمان وزمین کی تخلیق اور پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں۔فرمایا:

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

[اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں۔]

اب اس کو سمجھ لیں کہ غور وفکر سے کیا مراد ہے۔انسان اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں غور وفکر کرسکتا ہے اور کرنا چاہیے، اس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے: "تفکر ساعة خير من قيام ليلة." (ابن کثیر) ایک گھڑی آیاتِ قدرت میں غور وفکر کرنا پوری رات عبادت سے بہتر اور مفید ہے۔حضرت حسن بصریؒ کی روایت میں آتا ہے: "تفکر ساعة خير من عبادة ستين سنة." یعنی ایک گھڑی کا غور وفکر ساٹھ سال کی عبادت سے زیادہ بہتر ہے۔(معالم العرفان)

غور وفکر کے متعلق بزرگوں کے اقوال:

حسن بن عامرؒ نے فرمایا: کہ میں نے بہت سے صحابہ کرامؓ سے سنا ہے، سب یہ فرماتے تھے کہ: ایمان کا نور اور روشنی تفکر ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہؒ کا ارشاد ہے کہ: غور وفکر ایک نور ہے جو تیرے دل میں داخل ہورہا ہے۔حضرت ابوسلیمان دارائیؒ نے فرمایا کہ: میں گھر سے نکلتا ہوں تو جس چیز پر میری نگاہ پڑتی ہے، میں کھلی آنکھوں دیکھتا ہوں کہ اس میں میرے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت اور ایک عبرت کا سامان موجود ہے۔ (معارف القرآن)

مخلوقات میں غور کرو، خالق میں غور مت کرو:

ہاں! یہ بات ضرور یاد رکھیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور وفکر نہیں کرنا چاہیے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں یہ اصول بیان فرمایا: کہ قرآن و حدیث میں جو تفکر کے لیے کہا گیا ہے تو اس کے لیے ایک بات دھیان رکھنی ہے کہ "لا فکرۃ فی الرب" [کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور وفکر نہیں ہوسکتا ہے۔] "تفکر فی الخلق و لا تتفکر فی الخالق." [اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں میں غور کرو، لیکن ذاتِ باری تعالیٰ میں غور وفکر مت کرو۔] اگر ذات باری تعالیٰ میں غور وفکر کرنا شروع کیا تو ایمان سے ہاتھ دھونا پڑے گا، جہاں ہماری عقل اور سمجھ کی رسائی نہیں ہے، تو اس کے متعلق سیدھی بات یہ ہے کہ ہمارے اکابر علماء نے قرآن وحدیث کا جو نچوڑ بڑی عرق ریزی کے ساتھ پیش کیا ہے اس پر عمل کریں۔ ہمارے اکابر علماء جن کی زندگیاں قرآن وحدیث کے نور سے منور ہیں ان کی اقتداء کریں گے تو ان شاء اللہ ضلالت و گمراہی سے حفاظت رہے گی، اس لیے انہیں کے نقشِ قدم پر چلو۔ دو باتیں ہوئیں، ایک ذکر اور دوسری فکر۔

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ فرمایا کرتے تھے: کہ ذکر اللہ سے محبت پیدا ہوتی ہے، اور فکر سے حق تعالیٰ کی معرفت پیدا ہوتی ہے۔ محبت و معرفت دونوں مطلوب ہیں۔ اگر دونوں ہی کسی میں جمع ہو جائے تو پھر اور کیا چیز کی ضرورت ہے۔ ذکر اللہ سے محبت الٰہی اور فکر سے معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک ذرہ بھی دے دے تو ہمارا کام بن جائے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ میں دعا کا طریقہ بتایا کہ اس طرح دعا کرو

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّار.﴾[اے ہمارے رب! بے شک آپ نے کائنات کے ذرہ ذرہ کو بے کار اور فضول نہیں بنایا ہے۔آپ کی ذات پاک ہے۔آپ ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے۔] پھر کہو:

رَبَّنَا اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنصَارٍ.

[اے ہمارے رب! (ہمیں آخرت کی رسوائی سے بچا لیجئے۔کیوں کہ) بے شک آپ نے جس کو دوزخ میں داخل کر دیا اس کو واقعی (سارے جہاں کے سامنے) رسوا ہی کر دیا۔اور ظالموں کے لیے کوئی معین و مددگار نہیں۔] اس کے بعد ان کی یہ بھی درخواست ہوتی ہے:

رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ.

اس کے بعد یہ عرض کرتے ہیں کہ:[اے ہمارے داتا! ہم نے آپ کی طرف سے آنے والے منادی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت وتبلیغ کو سنا۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین پر ایمان لائے۔لہذا آپ ہمارے بڑے چھوٹے گناہوں کو معاف فرما دیجیے،اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت عطا فرمائیے۔] یعنی ان کے ساتھ ہمارا حشر فرمائیے۔یہ تین دعائیں اور درخواست عذاب اور تکلیف سے بچنے کے لیے ہے۔اور چوتھی دعا بڑی نفع بخش یہ کرتے ہیں:

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ. (آل عمران: ۱۹۴)

[اے ہمارے رب! آپ نے انبیاء کے ذریعہ جنت اوراس کی نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے، وہ ہمیں عطا فرما اور ہم کو قیامت کے دن رسوا نہ فرما، بے شک آپ کی شان کریمی یہ ہے کہ آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔] اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمیں دین واسلام پر استقامت نصیب فرما اور حسنِ خاتمہ نصیب فرما۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں عقل مند شخص کون ہے:

میرے مخلص دوستو اور عزیز ساتھیو! میں نے اللہ تعالیٰ کے قرآن میں سے آپ کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نظر میں عقل مند کون ہے؟ اب آیئے فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ہم دیکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں کون عقل مند ہے؟

ایک حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما قال اتیت النبی ﷺ عاشر عشرۃ فقام رجل من الانصارفقال یا نبی اللّٰہ! من اکیس الناس و احزم الناس قال اکثرھم ذکراً للموت و اکثرھم استعداداً للموت قبل نزول الموت اولٰئک ھم الاکیاس ذھبوا بشرف الدنیا و کرامۃ للآخرۃ.

(ابن ماجہ)

یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: کہ میں دس آدمیوں کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ ایک صاحب نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ عقل مند، سمجھدار اور محتاط شخص کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: جو شخص سب سے زیادہ موت کو یاد کرنے والا ہو اور موت آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنے والا ہو، جو لوگ ایسا کریں وہی لوگ عقل مند اور سمجھدار ہیں، یہی لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی شرافت اور آخرت کی عشرت حاصل کر لی۔
(طبرانی، مجمع الزوائد: ۱۰/ ۵۵۶)

یہ باتیں یاد رکھو گے یا بھول جاؤ گے:

ہم اس حدیثِ پاک کی روشنی میں اپنی زندگی کو دیکھیں کہ ہم اس پر کتنے کھرے اترتے ہیں۔ اگر ہمارے اندر یہ صفات ہیں، رات دن موت کی فکر رہتی ہے، اس کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور اس میں اور اضافہ کی کوشش کریں اور خدا نہ خواستہ ہمارے اندر یہ صفات نہیں ہیں، بس دنیا طلبی اور دنیا کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں، نہ موت کا دھیان آتا ہے اور نہ آخرت کی فکر ہوتی ہے اور نہ اس کی کچھ تیاری ہے، غفلت میں زندگی گذر رہی ہے، تو جلد از جلد ہم اپنی زندگی کی گاڑی کو پلٹیں اور اپنے اندر یہ صفات پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ آپ حضرات یہ باتیں یاد بھی رکھو گے یا بھول جاؤ گے؟ (حاضرین نے کہا: جی ہاں! یاد رکھیں گے ان شاء اللہ۔)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا جامع اور مختصر ملفوظ گرامی:

ان باتوں کو یاد رکھنے کے لیے آخر میں آپ کے سامنے ہمارے حضرت مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ - اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کی قبر کو نور سے منور فرمائے - ان کا ایک ملفوظ گرامی پیش کرتا ہوں۔ آپ نے اس طویل تفصیل کو دو سطروں میں سمجھا دیا، اور لب لباب پیش کر دیا۔ خدا کرے یہ بات ہمارے دل و دماغ میں اتر جائے، اور اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ تمام حضرات کو اس پر

عمل کی توفیق عطا فرمائے۔حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: دو باتیں ہیں اور وہ یہ ہیں کہ مسلمان مرد وعورت آخرت میں کامیابی کے مقام یعنی جنت میں پہنچ جائے اور غضب کے مقام یعنی دوزخ سے بچ جائے۔ یہ زندگی کا حاصل ہے اور یہی مقصود ہے۔اوراس مقصود کو حاصل کرنے کے لیے صرف دو کام کرنا ہے۔اول یہ کہ ہم ایمان وتوحید اور اطاعت کو اختیار کریں، اور دوسرا یہ کہ ہم معاصی سے بچتے رہیں۔تو ان شاء اللہ ہم اللہ تعالیٰ کے قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی نظر میں عقل مند بھی ہوں گے اور کامیاب بھی ہوں گے۔اللہ تعالیٰ ان صفات حسنہ سے ہم سب کو آراستہ وپیراستہ فرمائے۔آمین

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل مبارک سب سے فائق ہے:

تو آج کا ہمارا یہ موضوع تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل مبارک بھی سب سے زیادہ فائق تھی۔اس پر الحمد للہ کچھ باتیں قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کیں اور بزرگانِ دین کے اقوال بھی پیش کیے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل مبارک سب سے فائق ہے،اس پر ایک عقلی دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی کے یہ خلاف ہے کہ بڑی عقل والے کو چھوٹی عقل والے کی اطاعت واتباع کا حکم فرماوے۔اللہ تعالیٰ حکیم بھی ہیں،ان کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا،لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کا حکم فرمایا ہے،تو یہ دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل مبارک سب سے فائق ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی عقل مند نہیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور اتباع نصیب فرمائے اور ہم سب

کوعمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

دعا:

اب دعا کر لیتے ہیں۔

الحمد للّٰه رب العالمين و العاقبة للمتقين و الصلوٰة و السلام علىٰ سيد الانبياء و المرسلين و علىٰ اٰله و اصحابه اجمعين.

يا ارحم الراحمين! يا ارحم الراحمين! يا ارحم الراحمين!

اے اللہ! دین کی جو باتیں اور جن علماء کی باتیں ہم نے سنیں وہ تمام باتیں دل و دماغ میں اتار دے۔اور ان پر ہمیں عمل کی توفیق عطا فرما۔

اے اللہ! آپ نے ہمیں عقل دی ہے، بہت بڑی نعمت ہے،اس کی قدردانی کی ہمیں توفیق عطا فرما۔اسے صحیح استعمال کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرما۔

اے اللہ! تیرے دین اور تیرے احکام پر عمل کرنے کی ہم سب کو توفیق و سعادت عطا فرما۔دین کے ہر حکم کو پورا کرنا ہمارے لیے آسان کر دے۔

اے اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کو ہماری زندگی کے ہر ہر شعبہ میں جاری وساری کرنے والا بنا دے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے محبت اور غیروں کے طریقوں کی نفرت ہمارے دلوں میں بٹھا دے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں میں کامیابی کا یقین ہمارے دلوں میں بٹھا دے۔

و صلى اللّٰه تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمد و اٰله و اصحابه اجمعين.

برحمتک يا ارحم الراحمين.

۴

سیرت طیبہ کی امتیازی شان

(قسط چہارم)

رضوان نے دی بڑھ کر صدا کیا نور ہے صل علیٰ
شمس و قمر ان پر فدا کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ

﴿ ۴ ﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سیرت طیبہ کی امتیازی شان

(قسط چہارم)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡاَنۡبِیَاءِ وَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ۔ اَمَّا بَعۡدُ !

فَاَعُوۡذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ۝ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝
مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ

(الفتح:۲۹)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

سَلامٌ عَلیٰ خَیۡرِ الۡاَنَامِ وَ سَیِّدِیۡ = حَبِیۡبِ اِلٰہِ الۡعَالَمِیۡنَ مُحَمَّدِ

بَشِیۡرٍ نَذِیۡرٍ ھَاشِمِیٍّ مُّکَرَمٍ = عَطُوۡفٍ رَؤُوۡفٍ مَّنۡ یُّسَمّٰی بِاَحۡمَدِ

معراج پر پہنچے نبی = ظاہر ہوئے راز خفی

بولے ملائک سبھی = بَلَغَ الۡعُلیٰ بِکَمَالِہٖ

رضوان نے دی بڑھ کر صدا = کیا نور ہے صلِّ علیٰ

شمس و قمر ان پر فدا = کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ

حوریں کھڑیں تھیں صف بصف = تھے جام کوثر کف بکف

بولیں زہے عز و شرف = حَسُنَتۡ جَمِیۡعُ خِصَالِہٖ

حق نے کہا اے بندگان = میرا ہے پیارا مہماں
یہ صاحب کون و مکان = صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت بصارت کی امتیازی شان:

بزرگان محترم! ہمارے بیان کا سلسلہ یوں شروع ہوا تھا کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ اور امتیازی شان کیا کیا ہیں؟ اس پر بات چل رہی تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باطنی کمالات کے ساتھ ظاہری کمالات سے بھی نوازا ہے۔ اس ضمن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اقدس اور جسم مبارک کیسا تھا یہ بیان ہوا تھا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل مبارک بھی کیسی شان والی تھی یہ بھی گذشتہ کی مجلس میں آپ کے سامنے بیان ہو چکا۔

اب آج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھنے کی قوت؛ جسے قوت بصارت کہتے ہیں، اس پر قدرے تفصیل سے بات ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ قوت بھی بالکل ممتاز تھی۔ ہم اور آپ اپنے سامنے کی چیز دیکھتے ہیں، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے کی چیز بھی نظر آتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی چشم بصارت عطا فرمائی تھی، جو تمام انسانوں سے بالکل ممتاز تھی۔ آپ حضرات نے مکۃ المکرّمہ و مدینہ منورہ میں دیکھا ہوگا کہ جب جماعت کی نماز کھڑی ہونے لگتی ہے تو امام حرم اعلان کرتے ہیں: ”استووا و اعتدلوا، استووا و اعتدلوا.“ صفیں سیدھی کرلو، صفیں درست کرلو۔ یہ حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صفیں درست کرنے کی بہت تاکید فرمایا کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے:

کان النبی ﷺ یقول استووا استووا استووا فوا الذی نفسی بیدہ انی لاراکم من خلفی کما اراکم من بین یدی.

(رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ: ۱/ ۹۸)

''ابوداؤد شریف'' صحاح ستہ کی کتاب ہے۔اس میں یہ روایت ہے کہ [حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم صفیں درست کرلو، صفیں درست کرلو، صفیں درست کر لو۔اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی ایسے ہی دیکھتا ہوں جیسے آگے سے دیکھتا ہوں۔]

صف میں خالی جگہ نہ چھوڑو:

نماز باجماعت کی صف میں اگر درمیان میں خلا چھوڑ دیا جائے، تو اس جگہ شیطان آجاتا ہے، اور وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔اتنے چوڑے ہوکر کھڑے رہنا کہ درمیان میں خلا آجائے یہ مناسب نہیں ہے۔ ہر نمازی اپنے دو پیروں کے درمیان چار انگلی یا کچھ، یا ایک بالشت کے قریب فاصلہ رکھے۔ بہر حال اس میں اعتدال ہے۔ بہت زیادہ چوڑے ہوکر کھڑے ہونا یہ سنت نہیں ہے۔ایک اور حدیث میں فرمایا:

قال رسول اللّٰہ ﷺ اقیموا الصفوف و حاذوا بین المناکب و سدوا الخلل و لینوا بایدی اخوانکم و لا تذروا فرجات الشیطان و من وصل صفا وصلہ اللّٰہ و من قطعہ قطعہ اللّٰہ. (مشکوٰۃ: ۱/ ۹۹)

صفیں درست کرو اور کندھے سے کندھے ملالو، اور خالی جگہ پر کرو، (اور اگر تمہارا بھائی صفیں درست کرنے کے لیے تم کو آگے پیچھے کرے تو) اپنے بھائی کے لیے نرم ہوجاؤ۔(یعنی صفیں درست ہوں اس طرح آگے پیچھے ہوجاؤ۔) اور شیطان کے لیے خالی

جگہ مت چھوڑو۔ جو صفوں کو ملاتا ہے اللہ اس کے دلوں کو لوگوں سے ملاتا ہے، اور جو صفوں کو توڑتا ہے (صفیں درست نہیں کرتا) اللہ اس کے دلوں کو لوگوں سے توڑتا ہے۔

پیروں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ رکھنے کے ساتھ کندھوں کو ملانے کا حکم بھی دیا گیا ہے: **"حاذوا بین المناکب"** کندھے سے کندھا ملا ہوا ہو، تو اگر درمیان میں خالی جگہ چھوڑی ہوئی ہو، بیچ میں خلا ہو، تو شیطان آجاتا ہے، اور وسوسے ڈالنا شروع کرتا ہے۔ کہتا ہے: **"اذکر کذا، اذکر کذا."** یہ یاد کر، یہ یاد کر۔ طرح طرح کے خیالات ڈالتا ہے۔ بھولی ہوئی باتیں یاد دلاتا ہے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صفیں درست کرلیا کرو، تم جس طرح آگے کی چیز دیکھتے ہو، میں پیچھے کی چیز بھی دیکھتا ہوں۔ ایک دوسری حدیث میں ہے:

عن انس رضی اللہ عنہ قال اقیمت الصلوٰۃ فاقبل علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوجھہ فقال اقیموا صفوفکم و تراصوا فانی اراکم من وراء ظھری.
(رواہ البخاری، مشکوٰۃ: ۱/ ۹۸)

[حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نماز کھڑی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صفیں درست کرو، اور مل مل کر کھڑے رہو، میں تم کو اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔] تم میرے پیچھے کس طرح کھڑے ہو، یہ مجھے نظر آتا ہے۔

یہ بخاری شریف کی روایت ہے، میں آپ کے سامنے کوئی لال صفحے والی کتاب پیش نہیں کر رہا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مقام ہے، وہی آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے سے بھی ایسا ہی نظر آتا تھا جیسا آگے سے نظر آتا تھا۔

سورج گرہن کی نماز:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت بصارت کا اندازہ کیجیے، ہم کو صرف ظاہری چیزیں نظر آتی ہیں۔ظاہری کلر اور رنگ نظر آتا ہے کہ یہ کالا ہے، یہ لال ہے، مگر حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی قوت بصارت دیکھئے! حدیث میں ہے، ایک مرتبہ سورج کو گرہن لگ گیا۔سورج کو بھی گرہن لگ جاتا ہے۔سورج کا نور اللہ پاک اپنی قدرت سے سلب کرلیتا ہے۔تو اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی اور یہ بہت لمبی نماز تھی۔قیام بھی بہت لمبا، رکوع بھی بہت لمبا، سجدہ بھی بہت لمبا۔اتنی لمبی نماز پڑھائی کہ سورج روشن ہوگیا، یہ سورج کتنا بڑا ہے۔بعض روایات میں ہے کہ سورج زمین سے ڈیڑھ سو گنا بڑا ہے۔اللہ تعالیٰ اتنے بڑے سورج کو بھی بے نور کردیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ایک دن تو اس کو بے نور کرنے والا ہی ہے۔قیامت کے دن بے نور ہوجائے گا۔ ﴿اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ.﴾ جب کہ سورج لپیٹ دیا جائے گا۔یعنی بے نور ہوجائے گا۔

سبحان اللہ دنیا میں جنت کا مشاہدہ:

اللہ کا حکم؛ عجیب اتفاق ہوا کہ جس دن سورج گرہن ہوا، اس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ کا انتقال بھی ہوا، تو بعض صحابہؓ نے اس کے متعلق سوال بھی کیا، کیوں کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا خیال تھا کہ کسی بڑے آدمی کے انتقال پر سورج گرہن ہوتا ہے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اس سے بدشگونی مت لو، یہ تو آیۃٌ من آیاۃ اللہ ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔کسی کی موت پر اس کو کسوف نہیں لگتا، کسی کی زندگی اور موت سے اس کا کوئی تعلق نہیں

ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس کو بھی بے نور کر دیتا ہے۔ ہمارے لیے تو حکم یہ ہے کہ تم اس وقت اللہ جل جلالہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ ذکر و اذکار و استغفار میں مشغول ہو جاؤ، نماز پڑھو۔

خود رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی اور بہت طویل نماز پڑھائی، حتیٰ کہ نماز پڑھاتے پڑھاتے بعض حضرات کو یہ خیال بھی ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکوع کیے، اس وجہ سے اس میں ائمہ کا اختلاف بھی ہے۔ امام اعظم امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تو ایک ہی رکوع ہے، مگر امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دو رکوع ہیں۔

رکوع اصل میں ایک ہی تھا، مگر چوں کہ اس میں طویل قیام فرمایا، اور قیام کی حالت میں کبھی محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے، اور آگے ہاتھ بڑھائے کہ جیسے کوئی چیز آپ لے رہے ہوں، پھر پیچھے ہٹ گئے، تو اس پر بعض صحابہؓ جو پیچھے تھے، یہ سمجھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تشریف لے گئے، اور اس کے بعد قیام فرمایا، پھر دوبارہ رکوع فرمایا۔ حالاں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پہلی مرتبہ رکوع میں تشریف ہی نہیں لے گئے تھے۔ صرف آگے بڑھے تھے۔

جب نماز ختم ہوگئی، تو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے میرے سامنے جنت ظاہر کی: "رایت الجنة" میں نے جنت دیکھی، تو فرمایا کہ نماز کسوف میں اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے جنت ظاہر کر دی، اور انگور کا ایک خوشہ میرے سامنے تھا، میرا دل چاہا کہ وہ خوشہ توڑ لوں، اگر میں وہ انگور کا خوشہ توڑ لیتا

"لاکلتم ما بقیت الدنیا" تو قیامت تک تم اس خوشہ سے کھاتے رہتے اور وہ ختم نہ ہوتا۔(بخاری شریف) لیکن پھر ایمان بالغیب نہ رہتا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اس خیال سے میں نے خوشہ نہیں توڑا۔

تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ بصارت ایسی تھی، سبحان اللہ! دنیا میں رہتے ہوئے جنت کا مشاہدہ فرمارہے ہیں۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ فرماتے تھے کہ:حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ کسوف مشاہدہ والی نماز تھی۔

میں بلاؤں کو بھی دیکھتا ہوں:

اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جیسا کہ تم لوگ آسمان سے برسنے والی بارش کے قطروں کو دیکھتے ہو، میں آسمان سے اترنے والی بلاؤں کو بھی اسی طرح دیکھتا ہوں۔کیا ہم اور آپ بلاؤں کو دیکھ سکتے ہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصارت ایسی تھی کہ آسمان سے اترنے والی بلاؤں کو بھی دیکھ لیتے تھے۔

(بخاری شریف)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کی امتیازی شان:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک بھی ممتاز تھی، اور امتیازی شان رکھتی تھی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام حالات میں بلند آواز سے نہیں بولتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلند آواز سے بولنا پسند نہ تھا۔حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی آدمی کو چیختا ہوا پاتے تو اسے ناپسند فرماتے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

ہلکی آواز پسند تھی۔

(کنز العمال: ۷/ ۱۴۷)

اس لیے ایک مسئلہ سمجھ لو، یہ ناکارہ منبر رسول پر بیٹھ کر کہہ رہا ہے، واللہ العظیم کہ الحمدللہ میرے دل میں کسی کی طرف سے کوئی کینہ کپٹ نہیں ہے، اللہ پاک مجھے اس چیز سے محفوظ رکھے، اور مرتے دم تک محفوظ رکھے، آمین۔ الحمدللہ میں نے کبھی کسی کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ لوگوں کو بھی کینہ، حسد، بغض سے محفوظ رکھے۔ اور ہم سب کا دل پاک صاف رکھے۔ آمین۔ لیکن یہ بات ضرور کہتا ہوں، اعتدال میں ہر ایک رہے۔ اگر میرے نظریات کسی کو پسند نہ آئیں تو وہ آپ کی پسند کی بات ہے اور چوں کہ ہم نے اپنے نظریات بیچے نہیں ہیں، کیوں کہ ہم دین کی باتیں کسی کو خوش کرنے یا ناراض کرنے کے لیے بیان نہیں کرتے ہیں، لہٰذا جو بات حق ہوگی، وہ ایک مرتبہ میں ضرور کہہ دیتا ہوں۔

آمین بالجہر کا مسئلہ:

دیکھئے! جو حضرات زور سے آمین کہتے ہیں، امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں آمین بالجہر کا باب تو قائم کیا ہے، مگر اس میں جو حدیث لائے ہیں، اس میں آمین بالجہر کا حکم نہیں ہے۔ جہراً آمین کہنا بھی سنت ہے، اور سراً آمین کہنا بھی سنت ہے۔ جو حضرات زور سے آمین کہتے ہیں، وہ بھی سنت ادا کرتے ہیں، وہ حدیث کے خلاف نہیں ہے، اور جو حضرات آہستہ آمین کہتے ہیں، وہ بھی سنت پر ہی اور حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا جو آہستہ آمین کہتے ہیں وہ زور سے آمین کہنے والوں کو برا نہ سمجھیں، اور زور سے کہنے والے آہستہ کہنے والوں کو برا نہ سمجھیں۔ اس لیے کہ دونوں سنت ہے لیکن نماز میں اذان کی طرح

چلا چلا کر بلند آواز سے پڑھنا سنت نہیں ہے۔ یعنی بعض لوگ اتنی بلند آواز سے آمین کہتے ہیں جیسے کہ اذان پڑھ رہے ہوں، حالاں کہ آمین دعا ہے، آمین کے معنیٰ اے اللہ! ہماری دعا قبول فرمالے۔ اور دعا میں تواضع اور عاجزی ہونا چاہیے۔ بقول حضرت تھانویؒ بعض لوگ اتنی زور سے آمین کہتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ سر پر لٹھ مار دیا ہو، تو اتنی بلند آواز سے بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اور قرآن مجید میں ہے، اور قرآن کی بات تو سب کے لیے قابل حجت و قابل قبول ہونا چاہیے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ خطاب کر کے ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا

نماز میں بہت بلند آواز سے جسے چلا چلا کر پڑھنا کہتے ہیں، اس طرح نہ پڑھیے، اور نہ اتنا آہستہ پڑھیے کہ کسی کو آواز ہی نہ جائے۔ ﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۱۰) درمیان واعتدال کے ساتھ آپ تلاوت کیجیے۔ بہت چلانا یہ پسندیدہ نہیں ہے۔ دوسری جگہ قرآن پاک کہتا ہے: ﴿اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴾ (لقمان: ۱۹) بلاشبہ آوازوں میں بدترین آواز گدھے کی آواز ہے۔

تو عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ چیخنا، چلانا گدھے کی عادت ہے، تو ہر عمل میں اعتدال ہونا چاہیے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک بھی اعتدال کے ساتھ ہوتی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سب کو پہنچ جاتی تھی:

لیکن حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ یہ تھا کہ وہ آواز سب کو پہنچ جاتی تھی۔ چاہے کوئی شخص دور بیٹھا ہو یا قریب بیٹھا ہو، دور سے دور والے کے لیے بھی بغیر مائک

کے آواز پہنچ جاتی تھی۔ میری آواز دور تک پہنچانے کے لیے تو مائک کی ضرورت ہے، لیکن ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک بغیر مائک کے سب تک پہنچ جاتی تھی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا۔ حدیث میں ہے: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

جلس یوم الجمعة علی المنبر فقال للناس اجلسوا فسمع عبد اللّٰه بن رواحةؓ و هو فی غنم فجلس فی مکانه.

[کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**اجلسوا**" بیٹھ جاؤ، تو جو قریب تھے وہ سب بیٹھ گئے۔ حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ اس وقت بکریوں میں تھے (یعنی اپنی بکریاں چرا رہے تھے)۔ آپ نے وہاں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی، "**فجلس فی مکانه**" تو آپ اسی وقت وہیں بیٹھ گئے۔]

یہ روایت علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے خصائص الکبریٰ: جلد اول صفحہ ۶۶ میں نقل فرمائی ہے۔ اس حدیث سے ہم کو دو سبق ملتے ہیں۔ ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کا معجزہ ہونا کہ اتنی دور تک آواز پہنچ گئی۔ دوسرا ہمارے لیے اس میں بہت بڑا سبق یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی زندگی میں کیسا اطاعتِ رسول کا جذبہ تھا۔ اللہ اکبر!

اسی طرح ایک بہت مشہور واقعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ہے، کہ وہ مسجد میں تشریف لا رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی "**اجلسوا**" [بیٹھ جاؤ۔] تو دروازے پر ہی بیٹھ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا کہ بڑی تکلیف سے بیٹھے ہیں تو فرمایا: کہ عبداللہ! ٹھیک سے بیٹھ جاؤ۔ میرے مخاطب یہ حاضرین تھے، آپ

نہیں۔تو اس وقت عبداللہ بن مسعودؓ نے کیا خوب جواب دیا۔اللہ کرے وہ ہماری زندگی میں آجائے،تو ہماری دنیا و عقبیٰ کامیاب ہوجائے۔سنیے!حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کیا خوب جواب دیا:اللہ اکبر!فرمایا:کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز[بیٹھ جاؤ۔]سننے کے بعد میں نے دوسرا قدم اٹھایا تو جہنم میں ہوگا،اور مجھے معلوم نہیں کہ میں دوسرا قدم اٹھاؤں اور اس وقت میری موت آجائے۔

ایک اور واقعہ:

حضرت عبدالرحمٰن تیمیؓ فرماتے ہیں کہ "**خطبنا رسول اللہ ﷺ بمنیٰ**" [نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں وعظ فرما رہے تھے۔] "**ففتحت اسماعنا حتیٰ کنا لنسمع فی منزلنا**" [اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے،اور ہمارا مجمع کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار کا تھا،مگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات اپنے اپنے مقام پر برابر سنتے تھے۔]سننے میں ذرہ بھی تکلیف نہیں ہو رہی تھی۔

(خصائص کبریٰ:۱/۶۶)

یہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کی امتیازی شان تھی۔

مزید ایک روایت:

حضرت ام ہانیؓ فرماتی ہیں کہ میں اپنے مکان میں ہوتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ میں قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے اور میں اپنے گھر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کی آواز سنتی تھی۔حضرت ام ہانیؓ کا مکان آج کل جہاں

خو قیر ہوٹل ہے، اس کے قریب پہلے ایک لائبریری (Library) تھی، مکتبۃ الحرم۔ اب وہاں لائبریری نہیں ہے۔ اس کے قریب حضرت ام ہانیؓ کا مکان ہوا کرتا تھا۔ وہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پہنچتی تھی۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کی امتیازی شان تھی۔

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت سماعت کی امتیازی شان:

رسول مقبول، مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت سماعت بھی عام انسانوں سے بالکل ممتاز تھی۔ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ مدینہ منورہ کے قریب بنونجار کی آبادی تھی۔ وہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر بدکا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سے اترے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہاں کتنی قبریں ہیں؟ اور کن لوگوں کی ہیں؟ تو بتایا گیا کہ مشرکین کی چھ (٦) قبریں ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو جو عذاب قبر ہو رہا ہے، وہ میں اپنے کانوں سے سن رہا ہوں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: کہ اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ تم لوگ اپنے مردوں کو دفن کرنا بند کر دو گے، تو میں تم کو بھی وہ آواز سنواتا۔ تو معلوم ہوا کہ ہماری سننے کی طاقت اتنی ہے کہ ہم اپنے اردگرد کی اور آس پاس کی آوازوں کو سن لیں، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت سماعت کا یہ حال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں جو عذاب ہو رہا ہے، اس کی آواز بھی سن لیتے تھے اور یہ سننا بغیر آلہ کے ہوتا تھا۔

(مسلم شریف)

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قوت ذائقہ کی امتیازی شان:

اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت ذائقہ یعنی چکھنے کی قوت کا بھی کیا پوچھنا۔ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ میں شرکت فرمائی، تدفین کے بعد ایک خاتون نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائیں، کھانا حاضر ہے۔کھانا تناول فرمائیں۔تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گھر تشریف لے گئے۔صحابہؓ بھی ساتھ تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا نوش فرمانا شروع کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا لقمہ اٹھایا۔گوشت تھا۔آپ سے چبایا نہ جا رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوک دیا اور آپ نے گھر والی کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم نے جو گوشت پکایا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ بکری اس کے مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کی گئی ہے۔چنانچہ تحقیق کی گئی، تو معلوم ہوا کہ حقیقت میں اس بکری کے مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کی گئی تھی۔حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ یہ سارا گوشت لے جاؤ اور قیدیوں کو کھلا دو۔

ہماری قوت ذائقہ کا یہ حال ہے کہ ہم کھٹا، میٹھا، گرم، ٹھنڈا، کھارا، تیکھا، پھیکا، تازہ، باسی ان چیزوں کو چکھ کر معلوم کر سکتے ہیں، مگر یہ معلوم نہیں ہوسکتا ہے کہ یہ کھانا حلال ہے یا حرام؟ مالک کی اجازت سے بنایا گیا ہے یا بغیر اجازت؟

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی قوت کی امتیازی شان:

اسی طرح ہماری اور آپ کی جسمانی طاقت ہے، مگر اس میں بھی حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی شان تھی۔حدیث میں آتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تیس

(۳۰) مردوں کے برابر طاقت دی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت انسؓ سے مروی ہے:

عن انسؓ قال کان النبی ﷺ یدور علیٰ نسائه فی الساعة الواحدة من اللیل و النهار و هن احدیٰ عشرة قلت لانس او کان یطیقه قال کنا نتحدث انه اعطی قوة ثلاثین. (اخرجه البخاری)

[حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب وروز میں کبھی بیک وقت بھی سب ہی ازواجِ مطہرات کے ساتھ شب باشی کی ہے، حالاں کہ آپ کی ازواجِ مطہرات گیارہ تھیں۔ میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنی طاقت تھی۔ انہوں نے جواب دیا: ہمارے درمیان تو یہاں تک تذکرہ ہوا کہ آپ کو تیس (۳۰) مردوں کے برابر طاقت دی گئی تھی۔]

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی طاقت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگا سکتے ہو، جو بڑا مشہور واقعہ ہے۔ میں نے یہ واقعہ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ و استاذی حضرت مولانا اسلام الحقؒ سے بھی سنا ہے کہ: عرب کا مشہور پہلوان رکانہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں اور آں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کی چند بکریوں کو چرا رہے تھے۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے شروع شروع زمانہ کی ہے۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا مجھ سے کشتی لڑتے ہو؟

میں نے کہا: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں مجھ سے۔

میں نے کہا: اچھا کیا دوگے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جیتے اس کی ایک بکری۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پچھاڑ دیا اور ایک بکری لے لی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا: کیا دوبارہ کشتی لڑو گے؟

میں نے کہا: بہت اچھا۔ پھر دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زیر کر دیا۔ اب کی بار میں ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ، کہیں مجھے پچھڑتے کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا دیکھ رہے ہو؟

میں نے کہا: یہ دیکھ رہا ہوں مجھے کوئی اور بکری چرانے والا دیکھ نہ رہا ہو۔ کیوں کہ میں مکۃ المکرّمہ میں طاقت وقوت میں مشہور ہوں اور میرے مقابلہ کی کسی کو ہمت نہیں ہے۔ اگر مجھے کوئی اس طرح پچھڑتے دیکھ لے گا تو اس کو بھی ہمت ہو جائے گی۔

ناکارہ کے استاذ فرماتے تھے کہ: رکانہ اس قدر طاقتور اور اتنا بڑا پہلوان تھا کہ مکۃ المکرّمہ میں اس کے برابر اور اس کے مقابل کا کوئی پہلوان نہیں تھا۔ اونٹ ذبح کرتے تھے، اور اس کی کھال پر رکانہ بیٹھ جاتا تھا، پھر سارے نوجوان اس کھال کو کھینچتے تھے۔ کھال کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے تھے، مگر رکانہ پہاڑ کی چٹان کی طرح تھا۔ خدا کی پناہ! خدا کی پناہ! ظالم ٹس سے مس نہیں ہوتا تھا، اپنی جگہ پہاڑ کی طرح بیٹھا رہتا تھا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چڑیا کی طرح اٹھا کر پٹک دیا۔

خیر تیسری بار پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: کہ لڑو گے؟

میں نے کہا: بہت اچھا، مجھے گمان تھا کہ اب تو میں ہی غالب آ جاؤں گا۔ مگر

تیسری بار بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زمین پر دے مارا۔ اب میں غمگین ہو کر بیٹھ گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: غمگین کیوں ہو؟

تو رکانہ نے کہا: سب سے پہلے تو مجھے اس بات کا غم ہے کہ جب میں قبیلۂ عبد یزید کی بکریاں شام لے کر واپس جاؤں گا، تو ان میں تین بکریاں جو میں آپ کو دے چکا ہوں، وہ کم ہوں گی۔ دوسری بات یہ کہ مجھ کو بڑا گھمنڈ اور فخر تھا کہ قریش میں سب سے بڑا پہلوان، زیادہ مضبوط اور قوی میں ہی ہوں، اور آج اس کے خلاف نکلا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا چوتھی بار پھر کشتی کرتے ہو؟

تو رکانہ نے کہا: اب کیا رکھا تین بار پٹ جانے کے بعد۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اکرم الناس تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا لو بکریوں کا معاملہ تو میں تم کو واپس کر دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب بکریاں واپس کر دیں۔ پھر اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا شہرہ ہو گیا۔ اس وقت رکانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔ اور رکانہؓ فرماتے ہیں کہ میرے اسلام لانے کا سبب یہی بات تھی کہ میں یقین کر چکا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی طاقت کے بل بوتے پر زیر نہیں کیا، بلکہ ضرور کسی اور دوسری (الٰہی) طاقت سے زیر کیا ہے۔ اس قصہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی طاقت کا اندازہ لگا سکتے ہو۔

(البدایہ والنہایہ: ۱۰۴/۳، بیہقی، ابن کثیر، ابوداؤد، ترمذی)

اس واقعہ کو بہت سے مقررین حضرات اور انداز و طریقہ سے بھی بیان کرتے

ہیں مگر جو احادیث میری نظر سے گذری ہیں، ان میں اسی طرح یہ قصہ بیان ہوا ہے، جو آپ حضرات کے سامنے میں نے پیش کیا۔ واللہ اعلم

میدان جنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت قدمی:

بعض مرتبہ جنگ کے میدان میں بڑی شدت کا مقابلہ ہوتا تھا، اور دشمن متفق ہو کر آپ کو اپنا ہدف بناتے تھے، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے ثبات میں ذرہ برابر فرق نہ آتا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی طرح اپنی جگہ ڈٹے رہتے تھے۔ غزوۂ حنین میں شروع شروع میں صحابہ کرامؓ کو شکست ہوئی، ان کے قدم اکھڑ گئے، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم برابر اپنی جگہ ڈٹے رہے، اور ذرہ برابر فرق نہ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو صحابہؓ تھے، وہ بھی جمے رہے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چاہا کہ کنکر اٹھا کر دشمنوں کی طرف پھینکیں۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا: کچھ کنکر اٹھا کر دو۔ تو صحابہؓ کیا دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس خچر پر سوار تھے، وہ خود اپنے پیٹ کے بل چلنے لگا، تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود کنکر اٹھالیں، گویا یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکر اٹھائے، اور **"شاهت الوجوه شاهت الوجوه"** پڑھ کر ان کنکروں پر دم کیا، اور دشمنوں کی طرف پھینکا، اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم جاہ وجلال میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر تھا:

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہ پڑھ رہے تھے۔ [میں سچا نبی ہوں، جھوٹا نبی نہیں

ہوں، میں عبدالمطلب کا پوتا ہوں۔] حضرت عباسؓ نے بھی صحابہ کرامؓ کو پکارا:

یا معشر الانصار! یا اصحاب السمرہ!

اے گروہ انصار! اے وہ لوگ جنہوں نے کیکر کے درخت کے نیچے بیعتِ رضوان کی تھی! صحابہ کے کانوں میں آواز کا پہنچنا تھا کہ ایک دم تمام صحابہؓ میدانِ جنگ کی طرف پلٹ گئے اور دیکھتے دیکھتے تمام کے تمام شمع نبوت کے اردگرد پروانہ وار جمع ہو گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مشتِ خاک دشمنوں کی طرف پھینکی، روایت میں آتا ہے کہ کوئی دشمن ایسا نہ رہا جس کی آنکھ میں اس مشتِ خاک کا غبار نہ پہنچا ہو، اور ایک لمحہ نہ گذرا کہ دشمن کے قدم اکھڑ گئے۔ بہت سے بھاگ گئے اور بہت سے قید کر لیے گئے۔
(طبرانی ترجمان السنۃ: ۴/۲۴۴)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کا ایک اور واقعہ:

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی نے شور مچا دیا کہ کفار مدینۃ الرسول پر حملہ کرنے کے لیے آگئے۔ اچانک حملہ کی خبر سن کر سب صحابہؓ گھبرا گئے۔

ظاہری بات ہے کہ اچانک حملہ سے ہر ایک کو گھبراہٹ ہوتی ہے، لیکن جب میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہؓ سے گھوڑا لیا، اور ان کا گھوڑا ایسا مریل ٹٹو اور کمزور تھا کہ چلنے کا نام نہ لیتا تھا، مگر جب میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوئے تو وہ تیز رفتار ہو گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت دور تک دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے۔

ادھر صحابہؓ بھی متفکر ہو گئے اور تیاری میں لگ گئے، لیکن میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر میں واپس تشریف لائے، اور فرمایا: میں فلاں فلاں مقام تک دیکھ آیا

ہوں، بہت دور تک آپ جا کر آئے تھے، کوئی دشمنوں کی جماعت نہیں ہے، کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور حضرت طلحہؓ سے فرمایا: کہ اے طلحہ! ہم نے تمہارے گھوڑے کو پانی کی طرح بڑا تیز رفتار اور کشادہ قدم پایا۔ جب میرے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے، اس کے بعد تو وہ گھوڑا ایسا تیز رفتار ہو گیا کہ کوئی اس سے آگے تو کیا نکلتا، اس کے ساتھ بھی نہیں چل سکتا تھا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس دن کے بعد کوئی گھوڑا اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ (بخاری)

یہ میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا، جیسے کہ حضرت حلیمہ ؓ کی سواری کی رفتار بڑھ گئی تھی۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کی بات ہے کہ تنِ تنہا ایسے گھبراہٹ کے موقعہ پر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گھبراہٹ کا کوئی اثر نہ ہوا۔
(بخاری ومسلم، مشکوٰۃ: ۲/۵۳۶)

شجاعت کا ایک اور واقعہ:

آپ حضرات نے وہ قصہ بھی سنا ہوگا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ میں تشریف لے گئے۔ واپسی پر ایک جگہ سب آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک درخت کے نیچے آرام کے ارادہ سے تشریف لے گئے۔ اور اپنی تلوار اس درخت پر لٹکا دی، کوئی کافر تاک میں تھا، موقع کو غنیمت سمجھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے آیا۔ جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے۔ اس نے درخت پر سے وہ تلوار لے لی، اور تلوار نیام سے نکالتے ہوئے بولا: کہ بتاؤ اے محمد! آج میری تلوار سے تمہیں کون بچائے گا؟ اور اس

وقت آپ کے صحابہ بھی قریب نہیں تھے۔ دور دور متفرق جگہوں پر سوئے ہوئے تھے۔ ہم اور آپ ہوتے تو پتہ نہیں کیا کہتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اطمینان سے فرمایا: کہ اللہ !۔ اللہ بچائیں گے۔ بس آپ کی زبان مبارک سے لفظ اللہ نکلنا تھا، کافر کے ہاتھ پر لرزہ طاری ہوگیا، اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔

کیوں کہ دل میں اللہ تھا، دل میں روحانی قوت تھی، تو ایک لفظ ''اللہ'' کہنے سے کافر کے ہاتھ کانپنے لگے۔ آج ہم بھی اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہیں، مگر ہمارے نعروں سے سر کی جوں بھی نہیں گرتی، کیوں کہ اندر بنا ہوا نہیں ہے، اللہ کی عظمت، اللہ کی حقیقت، اللہ سے ہونے کا یقین جیسا ہونا چاہیے ہمارے دلوں میں نہیں ہے، اس لیے ہمارے نعروں میں وہ بات نہیں ہے۔ ان کے دل اللہ کی حقیقت، اللہ کی معرفت سے پُر تھے، ان کا اللہ کہنا حقیقت اور روح والا تھا، ان کا نعرۂ اللہ اکبر اپنے اندر روحانی طاقت رکھتا تھا، اس لیے ان کے نعروں میں وہ بات تھی۔ اسی کی علامہ اقبالؒ نے شکایت کی ہے ؎:

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

حضرت بلالؓ مدینہ منورہ میں اذان دیتے تھے تو کہرام مچ جاتا تھا۔ لوگ اپنی اپنی دکانیں بند کر کے مسجد کا رُخ کر لیتے تھے اور آج ہماری اذان بھی وہی ہے، بہترین آواز سے اذان دیتے ہیں؛ مگر اذان پڑھنے والوں میں وہ روح نہیں رہی۔

ایک بندوق ہو جس میں گولی نہ ہو، اندر خالی ہو اور اس سے کوئی شوٹ

(Shoot) کرے تو اس سے کوئی مرے گا؟ ظاہر ہے کہ اس سے تو کوئی بھی نہیں مرے گا، صرف ایک دھڑام کی آواز آئے گی، لیکن مرے گا کوئی نہیں۔ اس لیے کہ اندر خالی ہے، گولی وغیرہ تو ہے نہیں۔ لیکن اگر اندر بھرا ہوا ہو، گولی رکھی ہوئی ہو، اور پھر شوٹ (Shoot) کرے تو لاشیں ہی لاشیں گر جائیں گی۔ کیوں کہ اندر بھرا ہوا ہے۔ تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حقیقت میں ہمارے اعمال میں وہ روح نہیں ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس وقت جب ہندوستان اور پاکستان ایک تھا، انہوں نے سوچا کہ یہاں کفرستان میں تو روح بلالی والی اذان نہیں ہے، تو ان کے زمانہ کا پاکستان یعنی مصر و فلسطین گئے اور وہاں سے آنے کے بعد شکوہ کیا______:

سنی نہ مصر و فلسطیں میں وہ اذاں میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب

جب اندر بنا ہوا تھا، تو مسلمان ایک مرتبہ اللہ اکبر کہتا تھا، تو پہاڑوں کی چٹان دھڑام سے نیچے گر جاتی تھی۔

تلاوت قرآن کا اثر، گرجا گر گیا:

بات سے بات نکل گئی۔ شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے پاس ایک پادری آیا۔ اس نے کہا: دیکھو! ہمارا گرجا کتنا خوبصورت اور کتنا مضبوط اور تمہاری مسجد دیکھو! کتنی بوسیدہ اور پرانی ٹوٹی پھوٹی، تو حضرتؒ نے فرمایا: کہ اصل بات یہ ہے کہ ہماری مسجد میں قرآن پاک پڑھا جاتا ہے اور تمہارے گرجے میں قرآن پاک نہیں پڑھا جاتا ہے، اور قرآن کی یہ صفت ہے کہ

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ
(الحشر:۲۱)

[اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو اللہ جل شانہ کے خوف سے چورا چورا اور ریزہ ریزہ ہو جاتا]

جب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اس گرجے کے سامنے یہ آیت پڑھی، تو دھڑام سے وہ گرجا گر گیا تو آپؒ نے فرمایا: کہ دیکھا تمہارے گرجے میں قرآن پاک نہیں پڑھا جاتا ہے، اور ہماری مسجد میں قرآن پڑھا جاتا ہے۔

تو روح ہو تو ضرور اثر ہوتا ہے، مگر یہ اس دور کی بات ہے۔ آج کل تو یورپ کے کلیسا اور گرجا گھر کس مپرسی کے عالم میں ہیں بے شمار گرجے مسلمانوں نے خرید کر مسجد میں تبدیل کر دئے۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

آمدم برسر مطلب:

تو عرض کر رہا تھا کہ اس کافر نے کہا: اب بتلایئے! آپ کو میری تلوار سے کون بچائے گا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اطمینان سے فرمایا: اللہ رب العزت۔ جب آپ نے اللہ کہا، تو تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اور وہ کانپنے اور لرزنے لگا، اور اس کے بدن کا جوڑ جوڑ ڈھیلا ہو گیا۔

اس کے بعد سرور دو عالم، امام الثقلین، محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار اٹھا لی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب بتا تجھ کو میری تلوار سے کون بچائے گا؟

تو اس نے کہا: آپ کے سوا اب کون مجھے بچا سکتا ہے!!!

تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس ذات نے تیری تلوار سے مجھے بچایا، وہی ذات میری تلوار سے تجھے بھی بچا سکتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا: کلمۂ شہادت پڑھ لے اور ایمان لے آ۔

تو اس کافر نے کہا: میں کلمہ پڑھ کر ایمان لانے والا نہیں ہوں۔ تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف کر دیا۔

اس کے بعد وہ شخص اپنے قبیلہ میں آیا اور اس نے کہا: کہ میں نے بڑے بڑے لوگوں کو دیکھا، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا با اخلاق کسی کو نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہی یہ تھی:

صل من قطعک و اعف عمن ظلمک و احسن الیٰ من اساء الیک.

[جو تم سے رشتہ توڑے تم اس کے ساتھ بھی رشتہ جوڑو، جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دو، جو تمہارے ساتھ برا سلوک کرے اس کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔]

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس پر عمل پیرا تھے۔ جو آپ پر ظلم کرتا تھا، آپ اس کو معاف کر دیتے تھے، اور جو آپ کے ساتھ برا سلوک کرتا تھا، آپ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے۔ پھر دوبارہ وہ شخص بارگاہِ رسالت میں آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں گر کر کہنے لگا:

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

جوش میں آ کر اس نے پڑھا کلمۂ طیب مسلمان ہو گیا

لا الہ الا اللہ گفت گوہر احمد رسول اللہ سفت

تو میں عرض کرر ہا تھا کہ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جسمانی طاقت بھی غیر معمولی عطا فرمائی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر شجاعت تھی۔ بزدلی اور جبن نہیں تھا۔

درخت چل کر آئے:

میرے بھائیو اور مخلص دوستو! میرے آقا تاجدار مدینہ شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین، سبز گنبد کے مکین، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عجیب وغریب امتیازی شان عطا فرمائی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بیان کرنے کے لیے کافی وقت درکار ہے۔ میں صرف ایک دو معجزات آپ حضرات کی خدمت میں بیان کرتا ہوں۔ توجہ سے سماعت فرمائیں۔ حضرت جابرؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ سے واپس لوٹ رہے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قضاء حاجت کی ضرورت پیش آئی، تو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر ادھر دیکھا، مگر کوئی پردہ کی جگہ نظر نہ آئی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

عن عائشةؓ قالت و قلت یا رسول اللّٰہ انی اراک تدخل الخلاء ثم یجیئی الذی بعد فلا یریٰ لما یخرج منک اثراً فقال یا عائشة اما علمت ان اللّٰہ امر الارض ان تبلع ما خرج من الانبیاء.

(خصائص الکبریٰ)

اس حدیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب قضاء حاجت کے لیے تشریف لے جاتے اور جب واپس آتے، تو وہاں نجاست کا کوئی اثر و نشان تک نہیں ہوتا، تو میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اے عائشہ! تم نہیں جانتیں، اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا ہے کہ وہ انبیاءؑ کے خارج شدہ فضلہ کو جذب کر لے، کیوں کہ اس زمانہ میں آج کی طرح طہارت خانے نہیں ہوتے تھے۔

حضرت علامہ بدر عالم میرٹھی ثم المدنی نور اللہ مرقدہٗ نے ترجمان السنۃ میں یہ حدیث نقل فرما کر اس پر بڑی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ میں مختصراً اس کا خلاصہ بیان کرتا ہوں۔

علامہؒ نے لکھا ہے، انسانی فضلات میں اس کے بول و براز کا درجہ سب سے گرا ہوا ہے، مگر اس میں بھی انسانی غذا اور اس کی صحت کے فرق سے کیفیات، بلکہ مقدار کا بھی بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ انبیاءؑ بھی اس بشری صنف و حاجت سے الگ نہیں، مگر چوں کہ ان کے جسمانی خواص عام انسانوں سے کہیں بالاتر ہوتے ہیں، چنانچہ ان کے جسم اور جسم کے پسینہ کا خوشبودار ہونا، صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔

اس حدیث سے حضرت مولانا بدر عالمؒ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ میں بھی امتیازی شان رکھتے تھے، اور انبیاءؑ اس عالم میں بھی اہل جنت کے خواص رکھتے ہیں تو خیر درمیان میں ضمناً ایک کام کی بات یاد آ گئی تو میں نے عرض کر دی۔

عرض یہ کر رہا تھا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو قضاء حاجت کی ضرورت تھی

اور پردہ کی جگہ نہیں تھی۔ دور دو (۲) درخت نظر آئے، آپ نے ان دو درختوں کو اشارہ فرمایا، یہ مسلم شریف کی روایت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں درختوں کو اشارہ فرمایا کہ ادھر آ جاؤ، روایت میں ہے کہ وہ دونوں درخت اس طرح چل کر آئے جس طرح آدمی پیدل چلتا ہے۔ زمین چیرتے ہوئے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو ملا دیا اور درمیان میں پردہ کی جگہ بن گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاء حاجت فرمالی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ارجع“ اپنی اپنی جگہ واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ چلتے چلتے اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔

(مسلم شریف)

علامہ بوصیریؒ نے قصیدہ بردہ شریف میں اس معجزہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

جائت لدعوته الاشجار ساجدة تمشی الیه علیٰ ساق بلا قدم

هو الحبیب الذی ترجیٰ شفاعته لکل هول من الاهوال مقتحم

[آپ کے بلانے پر درخت آپ کی بات مانتے ہوئے اپنے پیروں پر چلتے ہوئے آپ کے پاس آ گئے۔ وہ ایسے محبوب ہیں جن کی شفاعت کی قوی امید کی جاتی ہے، ہر آنے والی پریشانی کے وقت۔]

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کی امتیازی شان:

میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند مبارک بھی عام انسانوں سے بالکل ممتاز تھی، چنانچہ ایک روایت میں حضرت جابرؓ فرماتے ہیں:

عن جابرؓ قال جائت ملائکة الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و هو نائم فقالوا ان لصاحبکم هذا مثلا فاضربوا له مثلا قال بعضهم انه نائم و قال

بعضهم ان العين نائمة و القلب يقظان فقالوا مثله كمثل رجل بنى داراً و جعل فيها مادبة و بعث داعيا فمن اجاب الداعى دخل الدار و اكل من المادبة و من لم يجب الداعى لم يدخل الدار و لم ياكل من المادبة فقالوا اولوها له يفقهها قال بعضهم انه نائم و قال بعضهم ان العين نائمة و القلب يقظان فقالوا الدار الجنة و الداعى محمد فمن اطاع محمداً فقد اطاع اللّٰه و من عصىٰ محمداً فقد عصى اللّٰه و محمد فرق بين الناس. (بخارى)

اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ کچھ فرشتے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت آئے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمارہے تھے۔ فرشتے آپس میں باتیں کرنے لگے کہ یہ تمہارے دوست حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک مثال ہے۔ اس مثال کو ان کے سامنے بیان کرو، تو دوسرے فرشتوں نے کہا کہ وہ تو سورہے ہیں۔ (لہٰذا بیان سے کیا فائدہ) تو ان میں سے بعض نے کہا کہ بے شک ان کی آنکھیں سو رہی ہیں لیکن دل تو جاگتا ہے۔ پھر اس فرشتے نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ و سلم کی مثال اس شخص جیسی ہے، جس نے گھر بنایا اور لوگوں کے کھانا کھانے کے لیے دستر خوان چنا اور بچھایا گیا اور پھر لوگوں کو بلانے کے لیے کسی آدمی کو بھیجا۔ لہٰذا جس نے بلانے والے کی بات مان لی، وہ گھر میں داخل ہوگا اور کھانا کھائے گا، اور جس نے بلانے والے کی بات کو سچ نہیں جانا اور دعوت قبول نہ کی وہ شخص گھر میں داخل ہوگا اور نہ کھائے گا۔

یہ سن کر فرشتے آپس میں باتیں کرنے لگے۔اس مثال کو ذرا صاف صاف کھول کر بیان کرو، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ لیں، تو پھر بعض فرشتوں نے کہا: بیان کرنے کا کیا فائدہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو سوئے ہوئے ہیں۔تو دوسرے فرشتوں نے کہا: بے شک ان کی آنکھیں سوئی ہوئی ہیں لیکن ان کا دل تو بیدار ہے، تو پھر فرشتے نے کہا: کہ گھر سے مراد جنت ہے اور بلانے والے سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پس جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ و سلم کی اطاعت وفرماں برداری کی اس نے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی، اس نے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں فرق کرنے والے ہیں۔

اس حدیث میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔

۱...... مقصد نبوت بیان فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوقِ خدا کو جنت کی طرف کیسی ہمدردی وتڑپ و پیار کے ساتھ بلاتے رہے۔(صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ) اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے کروڑوں درود وسلام نازل فرمائے، ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ و سلم پر۔

۲...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند مبارک کی امتیازی شان بیان فرمائی ہے۔ اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کی کیفیت کیسی تھی، اس کو کس طریقہ سے

آپ کے سامنے بیان کروں، ناچیز کے خسر و استاذ المکرّم حضرت مولانا اسلام الحق صاحب نور اللہ مرقدہ (شیخ الحدیث دار العلوم، بری، انگلینڈ) درسِ حدیث میں بڑی عمدہ مثال سے بیان فرماتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کی صحیح کیفیت کو تو کوئی سمجھا نہیں سکتا۔ بس اس کو ایک مثال سے سمجھ لو، کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ ہم سوتے ہیں مگر نیند نہیں آتی ہے، اور کئی گھنٹے تک آنکھیں بند کیے ہوئے سوئے پڑے رہتے ہیں۔ گھڑی کی آواز بھی سنتے ہیں کہ ابھی ایک بج رہا ہے۔ اگر گھر کا کوئی فرد حاجت کے لیے گیا، وہ سب جانتے ہیں۔ اس کے بعد اگر ہم اٹھتے ہیں، تو کچھ دیر ہماری آنکھیں چپک جاتی ہیں۔ پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کی کیفیت سمجھنے کے لیے یہ مثال کافی ہے۔

حقیقت حال اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اسی وجہ سے محدثین نے لکھا ہے، انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں ہے، مگر ہماری نیند ناقض وضو ہے۔ اسی وجہ سے ایک مرتبہ اماں عائشہؓ نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ وتر پڑھنے سے قبل سو سکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! صرف میری آنکھیں سوتی ہیں، میرا دل بیدار رہتا ہے۔ اس میں حضرت عائشہؓ کے فہم و سمجھ پر قربان جایئے کتنا ادب کا خیال ہے۔ یہ نہیں پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر وضو کے وتر پڑھتے ہو، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ! میرا دل بیدار رہتا ہے۔

(رواہ الشیخان)

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک انوکھا معجزہ؛ ایک گوہ نے آپ کے نبوت کی شہادت دی:

بزرگان محترم! میں آپ حضرات کو سرور عالم، امام الانبیا، حضرت محمد مصطفیٰ، احمد

مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بیان کرر ہا تھا۔درمیان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند مبارک کی بات آ گئی تو وہ عرض کردی۔ میں آپ کو ایک انوکھا اور اچھوتا اور عجیب وغریب معجزہ سنانا چاہتا ہوں۔توجہ فرمائیں۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابؓ کے ساتھ کہیں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک دیہاتی اور بدو کا وہاں سے گذر ہوا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدو کو بلایا اور فرمایا: کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، ایمان قبول کرلے، کامیاب ہوجائے گا۔

اس نے کہا: اے محمد! میں تو آپ کو نہیں جانتا ہوں، اس کے ہاتھ میں ایک گوہ تھی، یہ ایک بدشکل جانور ہوتا ہے، جو چوہے سے بڑا ہوتا ہے، بہت سے لوگ اسے کھاتے بھی ہیں۔اس دیہاتی نے کہا: کہ میری یہ گوہ اگر شہادت دے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، تو میں آپ پر ایمان لاؤں گا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کو خطاب فرمایا، گوہ کو عربی میں ”ضب“ کہتے ہیں۔

فقال رسول اللہ ﷺ من انا یا ضب فقال الضب بلسان عربی مبین یفھمہ القوم جمیعا لبیک و سعدیک یا رسول رب العالمین، قال من تعبد فقال الذی فی السماء عرشہ و فی الارض سلطانہ و فی البحر سبیلہ و فی الجنۃ رحمتہ و فی النار عذابہ قال فمن انا قال انت رسول رب العالمین و خاتم النبیین.

(خصائص الکبریٰ:۲/۶۵)

[آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے گوہ! تو بتلا میں کون ہوں؟ گوہ نے نہایت فصیح عربی میں جواب دیا، جسے سب حاضرین نے سنا اور سمجھا، اے رب

العالمین کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں حاضر ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں بردار ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو کس کے نام کی تسبیح کرتی ہے؟ وہ بولی: جس کا عرش آسمان پر ہے، اور جس کا حکم زمین پر نافذ ہے، جس نے سمندر میں راستے بنا دیے، جس کی رحمت کا مظہر جنت، جس کے عذاب کا مظہر دوزخ ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فمن انا قال انت رسول رب العالمین و خاتم النبیین" میں کون ہوں؟ تو گوہ نے کہا: کہ آپ تمام جہاں کے پروردگار کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ قرآن کریم میں:

سامعین کرام! اب میں مختصراً میرے آقا حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی قرآن کریم میں کہاں کہاں ہیں، سناتا ہوں، توجہ فرمائیں۔ اولاً تو قرآن مجید میں کہیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد کہہ کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خطاب نہیں فرمایا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیارے پیارے القاب سے خطاب فرمایا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ ہم کو یہ سبق دینا چاہتے ہیں کہ میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر پکارنا بے ادبی ہے۔ بعض جاہل اور بے ادب لوگوں کو آپ صاحبان نے دیکھا ہوگا، خاص کر یہ بے ادب قوال اپنی قوالی میں یا محمد یا محمد کہہ کر گلے پھاڑتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی گستاخ ہیں، اور قرآن کریم میں بھی جہاں آپ کا اسم گرامی ذکر کیا گیا ہے، وہ خاص وجہ سے کیا گیا ہے۔ توجہ فرمائیں۔ ایک آیت تو وہی ہے، جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی۔ اس میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم

مبارک ومنصب کا ذکر ہے۔فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

(الفتح:۲۹)

[محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔]

دوسری جگہ یہ ملتا ہے کہ قرآن کریم جو حقانیت وصداقت سے بھرپور ہے، وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ.

(محمد:۲)

[اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے اور وہ ان تمام باتوں پر ایمان لائے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہیں اور وہ ان کے رب کے پاس سے (آیا ہوا) امر واقعی (بھی) ہے۔]

تیسری جگہ اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول و پیغمبر ہیں، جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دیگر انبیاء پیغمبر آچکے، نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی دیوتا یا اوتار اور کوئی مافوق البشر ہستی نہیں ہیں۔ جیسے یہود و نصاریٰ انبیاء کے بارے میں گمراہ ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: ۱۴۴)

[اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نرے رسول ہی تو ہیں (خدا تو نہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔]

جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو جانثار صحابہؓ کا کیا حال تھا،

رنج وغم میں ڈوبے ہوئے بڑے کبیدہ خاطر تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسی آیت کریمہ کی تلاوت سنا کر صحابہؓ کے دلوں کو ڈھارس وصبر کی تلقین فرمائی۔ اور چوتھی جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ذکر فرما کر ہمیں یہ سبق دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ یہ ایک مستقل بڑے لمبے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، کسی وقت اس کی تفصیلات ذکر کروں گا، تو فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (احزاب:۴۰)

[محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن اللہ کے رسول ہیں، اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں]

اور ایک جگہ اسم گرامی احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے آپ کا ذکر فرمایا، یہ حضرت عیسیٰؑ کی پیشن گوئی ہے۔ آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (الصّف:۶)

[جب کہ عیسیٰ بن مریمؑ نے فرمایا: اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو توراۃ آچکی ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام مبارک احمد ہوگا، میں ان کی بشارت دینے والا ہوں۔]

اس وقت میں آپ حضرات کے سامنے لفظ محمد اور احمد کے معانی اور اس کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا ہوں، کیوں کہ اس کی پوری تفصیلات پہلے بیان کر چکا ہوں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے القاب مبارک:

میرے اور آپ کے پیارے رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے القاب مبارک و صفاتی اسماء کتنے ہیں، تو اس سلسلہ میں بعض محدثین نے (۹۹) نقل فرمائے ہیں اور یہ صفاتی نام آپ حضرات نے مواجہ شریف کے مقابل دیوار پر لکھے ہوئے پڑھے بھی ہوں گے۔ مظاہر حق مشکوٰۃ شریف کی شرح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء کے بارے میں تفصیلات ہیں۔ قاضی عیاضؒ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں میں سے تیس (۳۰) اپنے حبیب کے لیے مخصوص کیے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اگر سابقہ آسمانی کتابوں و قرآن کریم و احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام تلاش کیے جائیں تو (۳۰۰ یا ۴۰۰ تک ان کی تعداد پہنچتی ہے۔) اور قاضی ابو بکر ابن العربیؒ جو مالکی مسلک کے بڑے علماء میں سے ہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ بعض صوفیا کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہزار نام ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے بھی مستقل اس پر ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن کریم میں اللہ جل جلالہٗ نے (۲۲۷) مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیارے پیارے القاب سے خطاب فرمایا ہے۔ کہیں ﴿یٰـاَیھا المزَّمِّل﴾ [اے کپڑوں میں لپٹے ہوئے] تو کہیں ﴿یٰاَیھا المدَّثِّر﴾ [اے کمبل میں لپٹے ہوئے] تو کہیں مصطفیٰ، کہیں مجتبیٰ، اور کہیں صادق،

کہیں امین اور کہیں نبی اور کہیں رسول اور کہیں مبلغ وغیرہ وغیرہ ناموں سے ذکر کیا ہے۔

بقول مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کثرت اسماء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کثرت صفات پر دلالت کرتے ہیں۔حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے لکھا ہے کہ اس کے علاوہ النبی اور الرسول کا اطلاق اس کثرت سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ہوا ہے کہ اس کا شمار کرنا آسان نہیں اور ایک پیاری بات یہ بھی لکھی ہے کہ اللہ جل مجدہ نے بہت سے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبد کے نام سے خطاب فرمایا اور عبد کے معنیٰ بندے کے ہیں۔تو یہ لفظ اپنے لغوی مفہوم کے لحاظ سے تو عام ہے،لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم وتشریف وخصوصی موقع پر بار بار آیا ہے۔گویا کہ یہ آپ کا خصوصی لقب ہو گیا ہے۔قرآن کریم میں دیکھئے، جہاں کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ارفع ویگانگت کو بیان کیا گیا ہے۔اس موقع پر اسی کلمہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

بقول میرے استاذ حضرت مولانا احمد اللہ صاحب راندیری نور اللہ مرقدہ بڑے سادہ الفاظ میں ﴿عبدہٗ﴾ کا مفہوم سمجھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا اعجازی لقب ہے کہ اللہ جل مجدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ﴿عبدہٗ﴾ [اپنا بندہ] کہہ کر خطاب فرماتے ہیں۔ہم اور آپ ہر وقت یا رب یا رب کہہ کر اللہ تعالیٰ کو پکارتے رہتے ہیں مگر اللہ جل مجدہ بھی کبھی ہم کو ''اپنا بندہ'' کہہ دیں تو......تو اللہ کا کسی کو بندہ کہہ دینا بہت بڑی بات ہے، اور یہ کمال ہے اور ''عبد کامل'' یہ بہت بڑا مقام ہے۔اسی کو حسن دہلویؒ نے کیا خوب کہا ہے____:

بندہ حسن بصد زباں گفتہ کہ تو بندہ ام
تو بزبان خود بگو بندہ نواز کیستی

اور حضرتؒ عوام کو ﴿عبدہٗ﴾ کا مفہوم سمجھانے کے لیے ایک لطیفہ سنایا کرتے تھے۔ ایک صاحب بڑی بڑی باتیں کرتے تھے، شیخ چلی کی طرح۔ ایک مرتبہ اپنے دوست سے کہنے لگے کہ بھائی! میرا رشتہ تو شہزادی سے ہوگیا ہے، تو دوست نے پوچھا کیسے ہوگیا؟ کہنے لگے، بس ہوگیا۔ میری طرف سے تو قبول ہی ہے۔ بس شہزادی کی طرف سے قبول کرنا باقی ہے۔ اسی طرح ہم تو یارب یارب کہتے رہتے ہیں، مگر اللہ جل جلالہ بھی ہمیں اپنا بندہ کہے تو یہ کمال ہے۔ غرض ﴿عبدہٗ﴾ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا لقب ہے، اور ساتھ ساتھ آپ کے متعلق الوہیت کے تصور کی بھی جڑ کاٹ دی۔

کمال یہ ہے کہ بلا مانگے عطا کی جائے:

محترم سامعین کرام! ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ رب العزت کے یہاں کیا مقام تھا۔ بس اس کو اس طرح سمجھ لو کہ کوئی شاگرد اپنے استاذ سے کوئی چیز مانگے اور استاذ اسے وہ چیز دے دے تو بے شک یہ بھی بڑی سعادت مندی کی بات ہے۔ اور ایک صورت یہ کہ شاگرد میں وہ کمال ہو کہ استاذ خود اسے کوئی چیز دے دے، تو یہ بہت بڑی بات ہوتی ہے۔ ایک مرید اپنے پیر سے کوئی چیز مانگے اور پیر دے دے، یہ بھی بڑی بات ہے، اور ایک یہ کہ مرید میں ایسی صلاحیت ہو کہ پیر خود اسے کوئی چیز دے دے تو اصل کمال کی بات ہے۔ ایک چیز ایسی ہے کہ بیٹا باپ سے مانگے اور باپ اسے دے دے لیکن بیٹے میں ایسی صلاحیت ہے کہ باپ خود اسے دے دے۔ دونوں میں کوئی فرق ہے یا

نہیں؟ ظاہر ہے کہ زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اگر یہ بات آپ کی سمجھ میں آ گئی، تو بس اسی طرح دیگر انبیاءؑ نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے کوئی چیز مانگی، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے وہ چیز ان کو عطا فرمائی، لیکن میرے محبوب سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی باری آئی، تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر مانگے عطا فرمایا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال تھا اوراس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا بلند و بالا مقام تھا۔ چند مثالیں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں، سماعت فرمائیں۔

عطائے ربانی کی چند مثالیں/ مثال نمبر(۱):

ایک مرتبہ سیدنا موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے فرمائش کردی ﴿رَبِّ اَرِنِیۡ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ﴾ [اے باری تعالیٰ! مجھے اپنا دیدار کرادیجیے۔] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَنۡ تَرَانِیۡ﴾ [اے موسیٰ! تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے ہو، تمہاری آنکھوں میں وہ طاقت نہیں کہ مجھے دیکھ سکیں۔] حضرت موسیٰؑ تو کلیم اللہ تھے، بار بار مانگتے رہے: ”رب ارنی رب ارنی رب ارنی رب ارنی “ ادھر سے اصرار اُدھر سے انکار ہوتا گیا لیکن جب بہت اصرار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ میرا دیدار تو بہت دور کی بات ہے، اے موسیٰ! تم اس طور پہاڑ کو دیکھو، میں اس پہاڑ پر اپنی تجلی نازل کرتا ہوں اگر تم نے اس تجلی کو دیکھ لیا تو بعد میں میرے دیدار کی تمنا کرنا۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلۡجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوۡسٰی صَعِقًا

[جب موسیٰ کے رب نے اس پہاڑ پر تجلی فرمائی، تو تجلی نے اس کو ریزہ ریزہ کردیا۔]

(بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک سوئی کے ناکے اور سرے کے برابر

اس پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی، تو تجلی الٰہی نے اس پہاڑ کو ڈھا کر ریزہ ریزہ اور چکنا چور کر دیا۔)

﴿وَّخَرَّ مُوسٰی صَعِقًا﴾[اور حضرت موسیٰؑ بے ہوش ہو کر غش کھا کر گر پڑے۔]

﴿فَلَمَّا اَفَاقَ﴾ پھر جب موسیٰؑ کو بے ہوشی سے افاقہ ہوا اور ہوش میں آئے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! ابھی بھی دیدار کرنا ہے، تو موسیٰؑ نے کہا: ﴿قَالَ سُبْحَانَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ.﴾ اے باری تعالیٰ! آپ کی ذات پاک ہے، میں آپ کی پاکی بیان کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں معذرت پیش کرتا ہوں۔ (اپنے اس قول سے) توبہ کرتا ہوں۔

لیکن حضور پرنور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے معراج پہ لے جا کر اپنا دیدار کرا دیا اور ﴿فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ.﴾ کے مقام سے مشرف فرمایا۔ اور اتنا قرب عطا فرمایا کہ دو کمان یا اس سے بھی نزدیک کا فاصلہ رہا اور فرمایا: ﴿فَاَوْحیٰ اِلیٰ عَبْدِہٖ مَا اَوْحیٰ.﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ پر جو حکم بھیجنا تھا، بھیج دیا، جو کلام کرنا تھا کیا۔ مفسرین کے ایک قول کے مطابق اس میں جس قرب کا تذکرہ ہے اس سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق تعالیٰ سے قرب ہے، اور رؤیت سے مراد بھی حق تعالیٰ کی رؤیت ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں ہوئی۔ حضرت رئیس المفسرین ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت انسؓ اور حضرت حسنؓ سے یہی تفسیر منقول ہے۔

(معارف القرآن ادریسی: ۷/۵۰)

یہ آیات معراج سے وابستہ قرار دینے والی تفسیروں کے مطابق انتہائی رفعت اور بے انتہاء قرب کی تصریح ہے، ساتھ محبانہ جملہ ارشاد یہ بھی فرمایا: ﴿فَاَوْحیٰ اِلیٰ عَبْدِہٖ مَا

اَوحٰی.﴾ پس اللہ تعالیٰ دے اور بندہ لے کا مضمون تھا۔ بھلا کیا موازنہ اور مقابلہ اس رفعت وقرب کا کسی اور قرب اور رفعت سے۔

شیخ سعدیؒ نے اس رفعت شان وقرب کو اس طرح بیان کیا ہے:

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

[پہنچے بلندی پر اپنے کمال سے، دور کر دیا اندھیریوں کو اپنے جمال سے، اچھی ہے آپ کی تمام عادتیں، درود پڑھو آپ پر اور آپ کی آل پر۔]

میرے استاذ حضرت مولانا شیخ احمد اللہ صاحب راندیریؒ نے اس شعر کا منظوم ترجمہ کیا ہے، وہ آپکے سامنے پیش کرتا ہوں:

وہ علیٰ کو پہنچے اپنے کمال سے مٹی ظلمت ان کے جمال سے

ہوئے دل پسند خصال سے ہو درود ان پر اور ان کی آل پر

ہو درود ان پر، ان پر سلام ہو بر آل پاک مدام ہو

وہ ہیں بحر جود و نوال میں ہے مٹھاس ان کے مقال میں

وہ ہیں رشک مہر جمال میں ہو درود ان پر اور ان کی آل پر

ہو درود ان پر، ان پر سلام ہو بر آل پاک مدام ہو

وہ محمد احمد مصطفیٰ جو ہے سرور صف انبیا

وہ جلال و ہیبت اتقاء ہو درود ان پر اور ان کی آل پر

ہو درود ان پر، ان پر سلام ہو بر آل پاک مدام ہو

ہوئی عام ساری بھلائیاں ہوئی تابناک صفائیاں
وہ صحابیوں کی رسائیاں ہو درود ان پر اور ان کی آل پر
ہو درود ان پر، ان پر سلام ہو بر آل پاک مدام ہو
یہ دعا ہے احمد شیخ کی رہے دل میں یاد اللہ کی
ہو لبوں پہ صل علی النبی ہو درود ان پر اور ان کی آل پر
ہو درود ان پر، ان پر سلام ہو بر آل پاک مدام ہو

مثال نمبر(۲،۳)﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ.وَوَضَعْنَا عَنکَ وِزْرَکَ.﴾:

حضرت موسیٰؑ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں:﴿رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ﴾ [کہ اے اللہ تعالیٰ میرے سینے کو کھول دے۔] اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور ان کے سینے کو کھول دیا،لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مانگا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ.﴾[کیا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ کشادہ نہیں کیا۔]

حضرت موسیٰؑ دعا کرتے ہیں:﴿وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ﴾[اور میرے لیے کام کو آسان کر دے۔] اور اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَوَضَعْنَا عَنکَ وِزْرَکَ. الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ.﴾[اور ہم نے آپ پر سے آپ کا بوجھ اتار دیا،جس نے آپ کی پیٹھ کو گراں بار کر رکھا تھا۔]

مثال نمبر(۴) ﴿وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ.﴾:

حضرت ابراہیمؑ دعا مانگ رہے ہیں:﴿وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی

اُلْاٰخِرِیْنَ. ﴾[اے اللہ تعالیٰ میرے ذکر کو میرے بعد میں آنے والی امتوں میں کر دیجیے۔] بعد والی امتوں میں بھی میرا ذکر خیر ہو۔ اور اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہیں: ﴿وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ. ﴾[اور ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا۔] کتنا بلند کر دیا، جبرئیلؑ نے آ کر فرمایا: "اذا ذکرت ذکرت معی" جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوگا، وہاں وہاں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر ہوتا رہے گا۔

دیکھئے! کلمہ کے اندر "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ. اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ." اذان کے اندر کیا ہے: ﴿اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ اس کے بعد کہا جاتا ہے: ﴿اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾۔ جہاں جہاں میرا ذکر ہوتا ہے، وہاں وہاں آپ کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ نماز ہو یا خطبۂ جمعہ، خطبۂ نکاح ہو یا خطبۂ عید الفطر ہو یا عید الاضحیٰ، غرض کوئی بھی خطبہ ہو، جب اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے تو فوراً اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی ہوتا ہے۔ تو حضرت ابراہیمؑ کو مانگنے کے بعد یہ چیز عطا ہوئی، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بلا مانگے عطا فرمائی۔

مثال نمبر (۵) ﴿اِنَّا اَعْطَيْنَاکَ الْکَوْثَرَ. ﴾:

حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں: ﴿وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ. ﴾[اے اللہ تعالیٰ! مجھے جنت النعیم میں ٹھکانہ عطا فرما، جنت النعیم میں جگہ عطا فرما۔] اور اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہیں:

اِنَّا اَعْطَيْنَاکَ الْکَوْثَرَ. فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ. اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ.

[اور ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کوثر عطا کی ہے۔]

ادھر آپ کے صاحبزادے کا انتقال ہو گیا، تو صنادید قریش نے آپ کو طعنہ دیا کہ آپ تو ابتر ہیں (معاذ اللہ) یعنی دم بریدہ ومقطوع النسل، آپ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں رہی۔ لہٰذا اب ان کی نسل نہیں چلے گی اور جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رہے گا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ رہیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی ختم ہو جائے گا۔ (معاذ اللہ) تو میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طعنہ سے بہت رنج ودکھ ہوا۔ ظاہری بات ہے کہ بیٹے کا انتقال ہوا ہوا اور اسی دن کوئی طعنہ مارے تو زخم پر نمک پاشی ہوگی، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی رنجیدہ اور غمزدہ و کبیدہ خاطر تھے۔ اتنے میں عرشِ بریں سے جبرئیلؑ تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں رنجیدہ ہوتے ہیں: ﴿اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ.﴾ [ہم آپ کو کوثر عطا فرماتے ہیں۔] اور کوثر کی تعریف میں مفسرین کے چالیس اقوال ہیں۔ چند مشہور قول یہ ہیں: پہلی بات تو یہ کہ کوثر لغوی طور پر کثیر کے مادہ سے ہے، جس کے معنیٰ خیر کثیر کے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کوثر کے معنیٰ "الخیر الکثیر" یعنی بہت زیادہ بھلائی کے ہیں۔

(درمنثور: ۶/۴۰۲، ابن کثیر: ۴/۵۵۸)

خیر کثیر میں قرآن کریم، نبوت، کتاب وحکمت سب آ گیا۔ حکمت کی تفسیر خیر کثیر کرنا یہ قرآن کریم کی تفسیر قرآن کریم سے ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا﴾ (البقرہ: ۲۶۹) [اور جسے حکمت دی گئی اسے خیر کثیر دیا گیا۔] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کی کثرت، کتاب وحکمت کے ساتھ علم،

شفاعت، حوض المورود، مقام محمود، ادیان باطلہ پر آپ کے دین کا غلبہ، فتوحات کی کثرت، دشمنوں کے مقابلہ میں نصرت ومدد۔

(کشف الرحمٰن مولانا احمد سعید دہلویؒ)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے، کوثر یعنی خیر کثیر ہے۔ قرآن پاک ایسا خیر کثیر ہے کہ اس قرآن پاک کا فیض نسلاً بعد نسلٍ اور طبقاً بعد طبقٍ دنیا میں پھیلتا رہے گا، ان شاء اللہ العزیز۔ نیز شاہ صاحبؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو آدمی دنیا میں جس قدر قرآن کریم سے فیض یاب ہوگا، اسی نسبت سے حوض کوثر پر پانی نصیب ہوگا۔ لہذا اہل ایمان کو چاہیے کہ قرآن کریم کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

(تفہیمات:۱/۳۳۴)

اللّٰھم اجعلنا منھم. نیز شاہ صاحبؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ عالم مثال میں حوض کوثر کی مثال قرآن کریم ہے۔ واللہ اعلم۔

بہرحال خیر کثیر ہر قسم کی بھلائی کو شامل ہے۔ سب سے مشہور قول تو یہی ہے کہ اس سے مراد حوض کوثر ہے، جس کا ذکر احادیث میں آتا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وھو حوض ترد علیه امتی یوم القیامة“ احادیث میں آتا ہے کہ میدان محشر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حوض کوثر عطا فرمائیں گے جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو پانی پلائیں گے، اس حوض کوثر کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہوگا۔ جو ایک مرتبہ پی لے گا، اسے پھر پیاس نہیں لگے گی۔ اس حوض کوثر پر جو گلاس اور آب خورے ہوں گے، ان کی تعداد آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہوگی۔ (اللہ رب العزت اپنے فضل وکرم سے

ہم سب کو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے جام کوثر نصیب فرمائے۔ آمین) دشمن تو کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل ختم ہو جائے گی اور ادھر اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں:

اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ.

[آپ کا دشمن ہی ابتر ہوگا۔]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل تو خوب چلے گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراءؓ سے آپ کی نسبی نسل چلی۔ چنانچہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسینؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "سبط من الاسباط" یعنی میرا یہ نواسہ قبیلوں میں سے ایک بڑا قبیلہ ہے۔

(ترمذی: ۵۴۰، ابن ماجہ: ۱۴)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد تو بے شمار ہیں۔ آسمانوں کے ستاروں سے بھی زیادہ ہیں۔ پوری امت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد ہیں جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آل محمد کل تقی" ہر مؤمن متقی میری اولاد ہے۔ (کنز العمال: ۳/۵۴) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن جس نے آپ کو طعنہ دیا تھا، عاص بن وائل اور عقبہ بن معیط، مدینہ کا یہودی کعب ابن اشرف بھی اس طرح کے طعنہ دیتا تھا۔ ان ظالموں کو آج کون جانتا ہے؟ مفسرین کرام اگر اس واقعہ کے ذیل میں ان کے نام نہ لکھتے، تو آج ان کا نام ونشان بھی کوئی نہ جانتا اور اس کے مقابل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک دنیا کے چپے چپے اور گوشے گوشے میں روشن ومنور ہے۔ آج جہاں بھی جاؤ وہاں اللہ رب العزت کے نام کے ساتھ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام

بھی روشن ہے۔

یـــارب صـــل و ســلـــم دائـــمـــاً ابـــداً

عــلـــیٰ حبیبک خیـــر الـــخـلـــق کـلـهـم

حضرت ابراہیمؑ جنت النعیم کی دعا مانگ رہے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ و سلم کو بلا مانگے کہا جارہا ہے: ﴿اِنَّا اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ.﴾

آپ کو یاد ہوگا کہ ہمارے علاقہ سے ایک بہت بڑے عالم دین حضرت الاستاذ الحدیث مولانا ابرار احمد دھلیویؒ ہماری بالہم مسجد میں تشریف لائے تھے اور سورۂ کوثر کی تفسیر بیان فرمائی تھی اور اس میں عجیب وغریب نکات بیان کیے تھے۔ مولاناؒ نے فرمایا تھا کہ اس سورہ مبارکہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے پیار و غایت محبت سے تسلی بھی دیتا ہے۔ ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کا انتقال ہوا اور کافروں نے طعنہ دیا اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّـآ اَعۡـطَیۡـنَـاکَ الۡکَوۡثَرَ.﴾ [ہم نے آپ کو کوثر عطا کی۔] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اپنے ساتھ کر لی اور پھر عطا فرمایا۔ اصل میں عطا کہتے ہیں جو چیز بلا مانگے ملے، یعنی اس میں آپ کی محنت کا بھی دخل نہیں ہے، اور حوض کوثر کی عظیم خوش خبری بھی دی، اور انداز بھی عجیب ہے۔ اور حضرت والاؒ نے اس کو ایک عام مثال سے سمجھایا: کہ ایک بچہ ہو، اس کو کسی بچہ نے مارا ہو، اور وہ بچہ روتے ہوئے اپنی امی سے شکایت کرتا ہے۔ امی جان! مجھے فلاں بچہ نے مارا، تو امی کیا کرتی ہے، سب سے پہلے بچہ کو اپنے سینے سے لگاتی ہے، اس کو چپ کراتی ہے، اور اس کو چوکلیٹ بھی دیتی ہے، اور پھر کہتی ہے، آنے دو میں اس کی خبر لوں گی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ﴿اِنَّـا اَعْـطَیْنَـاکَ ﴾میں ﴿اِنَّا﴾ کہہ کر آپ کو اپنے ساتھ کرلیا، اور پھر کوثر کی بشارت دی، اور پھر آخر میں فرمایا: ﴿ اِنَّ شَـانِـئَکَ هُـوَ الْاَبْتَرُ. ﴾ [کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہی ابتر ہوجائے گا۔] بے نام ونشان ہوجائے گا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ماں کہتی ہے: کہ آنے دو میں اس کی خبر لوں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں اس کی خبر لوں گا، وہ کہتا ہے: معاذ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے نام ونشان ہو جائیں گے، میرے محبوب آپ نہیں وہ ہی بے نام ونشان ہوجائے گا۔

مثال نمبر(۶)﴿یَوۡمَ لَا یُخۡزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ ﴾:

حضرت ابراہیمؑ دعا کررہے ہیں: ﴿وَلَا تُـخۡـزِنِیۡ یَـوۡمَ یُبۡعَثُوۡنَ . ﴾[اے میرے داتا! قیامت کے دن مجھے رسوا نہ کرنا۔] اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں:

یَوۡمَ لَا یُخۡزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ نُوۡرُهُمۡ یَسۡعٰی بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَبِاَیۡمَانِهِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ.

(التحریم:۸)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: [اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اس دن (یعنی قیامت کے دن) ہم آپ کو رسوا نہیں کریں گے، اور جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان والے ہیں ان کو بھی رسوا نہیں کریں گے، ان کا نور ان کے داہنے اور ان کے سامنے دوڑتا ہوگا اور وہ یوں دعا کرتے ہوں گے۔ اے ہمارے رب! ہمارے لیے اس نور کو اور بڑھا دیجیے اور اخیر تک اس نور کو قائم ودائم رکھیے!

تا کہ راستہ میں گل نہ ہو جائے اور ہمیں بخش دے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔]

تو حضرت ابراہیمؑ دعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ مجھے قیامت کے دن رسوا نہ کرنا اور یہاں اللہ تعالیٰ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں ہم آپ کو رسوا نہ کریں گے اور نہ ان لوگوں کو رسوا کریں گے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان والے ہیں۔

مثال نمبر (۷) ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾:

حضرت ابراہیمؑ دعا کر رہے ہیں:

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ. (ابراهيم: ۳۵)

[اور جب کہ حضرت ابراہیمؑ نے کہا اے میرے داتا! یہ مکۃ المکرّمہ جو شہر ہے، اس کو امن والا بنا دے، اور مجھے اور میری خاص اولاد کو بتوں کی پرستش سے بچا۔ میری اولاد کو پاک بنا دیجئے۔] اور اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور گھر والوں کے بارے میں خود فرماتے ہیں:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا.

[اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اے نبی کے گھر والو! تم سے آلودگی کو دور رکھے، اور تم کو ہر طرح ظاہری و باطنی طور پر پاک کر دے۔] حضرت ابراہیمؑ دعا فرما رہے ہیں، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ خود فرما رہے ہیں کہ ہم آپ کے اہل بیت کو پاک و صاف رکھیں گے۔

مثال(۸)﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ﴾:

حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں:﴿وَ كَذٰلِكَ نُرِیۡۤ اِبۡرٰهِیۡمَ مَلَكُوۡتَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ﴾[اے اللہ تعالیٰ! آسمان وزمین کے جوخزائن ہیں اور جو عجائب ہیں وہ مجھے دکھلا۔] اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ خود فرما رہا ہے: ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ﴾[وہ پاک ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔] کیوں؟ ﴿لِنُرِیَهٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ﴾ [تاکہ ہم ان کو اپنی آیات دکھلائیں۔] اور ایک جگہ ارشاد فرمایا:﴿عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا﴾[امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود عطا فرمائے۔]

قرآن مجید میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک عضو مبارک کا ذکر ہے:

اللہ تعالیٰ نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے بہت سے اعضائے مبارک کا ذکر بھی قرآن پاک میں موجود ہے۔مثال کے طور پر کہیں اللہ تعالیٰ آپ کی زندگی کی قسم کھاتے ہیں:

لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِیۡ سَكۡرَتِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ.

[آپ کی زندگی کی قسم یہ لوگ ان کی مستی میں مدہوش ہیں۔]

اور کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کا ذکر فرماتے ہیں، جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو شروع شروع میں تقریباً سترہ مہینے تک مسجد اقصیٰ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی خواہش وتمنا یہ تھی کہ کعبۃ اللہ جس کی تعمیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت ابراہیمؑ نے کی تھی، آپ صلی اللہ علیہ و

سلم کا قبلہ بنادیا جائے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، غور کیجئے کتنا پیارا خطاب ہے:

قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِکَ فِی السَّمَاءِ

دیکھو! اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے مبارک کا ذکر ہے۔ [ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کو بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں۔] آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتظار میں ہیں کہ کب جبرئیل امین وحی لے کر آئیں کہ آپ بیت المقدس سے کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیے۔

﴿فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبۡلَةً تَرۡضٰهَا﴾ [ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے۔] چنانچہ فرمادیا گیا: ﴿فَوَلِّ وَجۡهَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ﴾ [آپ اپنا چہرہ نماز میں مسجد حرام کی طرف کیجیے جس کے لیے آپ کی مرضی ہے۔]

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان کا ذکر قرآن پاک میں ہے:

فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِکَ

ہم نے اس قرآن پاک کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا۔

جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیلؑ کے ساتھ تیز تیز پڑھتے تھے تا کہ آپ کو یاد ہو جائے اور بھول نہ جائیں۔ تو اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا: ﴿لَا تُحَرِّکۡ بِهٖ لِسَانَکَ لِتَعۡجَلَ بِهٖ﴾ [آپ اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجیے تا کہ آپ اس کو جلدی جلدی یاد کر لیں۔] ﴿اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَهٗ وَقُرۡاٰنَهٗ. فَاِذَا قَرَاۡنٰهُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَهٗ. ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَهٗ.﴾ [ہمارے ذمہ ہے (آپ کے قلب میں) اس کا جمع کر دینا اور (آپ کی زبان سے) اس کا پڑھوا دینا پھر (آپ کی زبان سے لوگوں کے سامنے) اس کا بیان کرا دینا

(بھی) ہمارے ذمہ ہے۔] تو دیکھئے! آپ کی زبان مبارک کا ذکر بھی قرآن پاک میں موجود ہے۔

آپ کے ہاتھ مبارک کا ذکر بھی موجود ہے۔ اور اسی کے ساتھ آپ کی گردن مبارک کا بھی ذکر موجود ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً اِلٰى عُنُقِكَ ﴾[اور نہ آپ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھیے] مراد اس سے یہ ہے کہ جہاں خرچ کرنا چاہیے وہاں خرچ کرنے میں بخل نہ کیجیے، اس کو اس انداز سے تعبیر کیا کہ اپنے ہاتھوں کو گردن سے نہ باندھ لو۔ اور ایک جگہ آپ کا سینہ اور پیٹھ مبارک کا ذکر بھی موجود ہے: ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ. ﴾[کیا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ کشادہ نہیں کیا۔] اس میں سینہ مبارک کا ذکر آ گیا۔ ﴿وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ. الَّذِىْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ. ﴾[اور ہم نے آپ پر سے آپ کا بوجھ اتار دیا، جس نے آپ کی پیٹھ کو گراں بار کر رکھا تھا۔] اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک اور پیٹھ مبارک کا ذکر آ گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل و قلب مبارک کے ذکر سے قرآن پاک کیسے خالی ہو سکتا ہے؟ دل کے لیے قرآن میں دو لفظ آتے ہیں، ایک "فؤاد" اور دوسرا "قلب"۔ لفظ "فؤاد"، معراج کے واقعہ کے موقع پر آیا ہے، فرمایا: ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى. ﴾[جو کچھ پیغمبر کی آنکھوں نے دیکھا، اس کے سمجھنے میں دل نے غلطی نہیں کی۔] (النجم:۱۱) اور لفظ "قلب" کا استعمال تو بہت سی جگہوں پر ہوا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

وَاِنَّہٗ لَتَنزِیلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ. عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ.

[بلا شک وشبہ یہ قرآن کریم رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے۔اس کو آپ کے قلب اطہر پر ایک امانت دار فرشتہ (جبرئیلؑ) لے کر آیا ہے، تا کہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جاؤ۔]

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک (آنکھوں) کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے۔اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: ﴿لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِہٖ اَزْوَاجًا مِّنْھُمْ﴾ جس کا مفہوم یہ ہے کہ اور دنیوی زندگی کی اس رونق کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے، جس سے ہم نے ان کافروں کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لیے دے رکھا ہے۔اس آیت کریمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ مبارک کا تذکرہ ہوا اور آنکھ میں اصل تو بینائی وقوت بصارت ہے، چنانچہ آپ کی بصارت و بینائی کا ذکر بھی قرآن پاک میں موجود ہے۔فرمایا: ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی.﴾ [نگاہ نہ تو ہٹی نہ بڑھی۔] مذکورہ آیت بھی معراج کے سلسلہ میں بیان کی گئی ہے۔

ضمناً وطبعاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک اور کان مبارک کا ذکر بھی قرآن پاک میں موجود ہے۔جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی تھی (اس کا تفصیلی قصہ پہلے میں بیان کر چکا ہوں) اس وقت حضرت عمرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن مبارک پکڑ کر فرمایا تھا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کس کی نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ اے عمر! مجھے معلوم ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے نماز جنازہ پڑھائی اور جبرئیلؑ وحی لے کر تشریف لائے، اور فرمایا:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ. (الیونس: ۸۴)

[اور اے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں سے (منافقین) کوئی مر جائے تو اس پر کبھی نماز جنازہ نہ پڑھیے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔] تو اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا ذکر ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان مبارک کا ذکر صراحۃً تو نہیں، مگر اشارۃً موجود ہے۔ منافقین کے بارے میں فرمانِ الٰہی ہے:

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. (التوبہ: ۶۱)

[اور ان میں سے بعض (منافقین) ایسے ہیں، جو نبی کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ محض کان ہے (کان کے کچے) اے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ کان تو ہے، مگر تمہارے بھلے کے واسطے وہ اللہ تعالیٰ کا اور مؤمنین کی بات کا یقین رکھتے ہیں اور جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں، ان کے حق میں رحمت ہیں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے ہیں، ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔]

اس آیت کریمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان مبارک کا ذکر ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور موت کا تذکرہ بھی قرآن پاک میں

موجود ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنَّ صَلاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.
(انعام:۱۶۲)

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ [آپ کہہ دیجیے کہ میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خالص اللہ جل جلالہ کے لیے ہے، جو سارے جہاں کا رب ہے۔]

اور آپ کے اخلاق کریمانہ کا ذکر بھی قرآن پاک میں موجود ہے: ﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ.﴾ (القلم) [اے پیغمبر!(صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اخلاق کے عظیم مقام پر فائز ہیں۔

مذکورہ آیت میں محبّ صادق، مولائے کائنات نے اپنے محبوب صادق، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کتنے پیارے انداز سے بیان فرمائی ہے۔حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں خلق جو کہ جمع کا صیغہ ہے، اس کے اندر اخلاق حسنہ کے سارے ہی اوصاف قرآن پاک نے بیان کیے اور قرآن پاک کوئی شاعرانہ کلام کا مجموعہ نہیں ہے، جس میں مبالغہ ہو اور اسی کے ساتھ عظیم کی صفت بھی ہے، جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے سید المرسلین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اخلاق حسنہ کا وہ مقام عطا فرمایا جو بندوں کی ادراک کی انتہا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا بھی مستقل ذکر موجود ہے۔فرمان ربانی ہے: ﴿اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ.﴾ (الزمر) [بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک دن دنیا سے کوچ کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس جانے والے ہیں اور وہ لوگ بھی مرنے

والے ہیں۔]

بزرگان محترم وعزیزان مکرم! کئی دنوں سے سیرت طیبہ پر ہمارا بیان چل رہا ہے۔آخر آخر کی باتیں تو خالص علمی تھیں،میرا ارادہ ان باتوں کے بیان کرنے کا نہیں تھا، مگر چوں کہ ہمارے سامعین میں کچھ حضرات پڑھے لکھے بھی ہیں۔ایک بھائی نے مجھ سے فرمائش کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ جو قرآن کریم نے بیان کی، وہ بیان کی جاوے اور ہمارے اس دوست نے مجھے ایک کتاب حضرت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کی سیرت نبوی قرآن کی روشنی میں عنایت فرمائی۔لہٰذا اس کتاب سے بہت سی باتیں آپ کے سامنے پیش کر دیں۔تفصیل سے دیکھنا ہو تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کا جانور بھی احترام کرتے تھے:

علامہ دمیریؒ نے حیوٰۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک وجسد اقدس کا احترام صحابہ کرام ؓ تو کرتے تھے، جانور بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کا احترام کرتے تھے کہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر مکھی نہیں بیٹھی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک سو اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کے لیے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذبح کرتے تھے تو ہر اونٹ اپنی گردن خود آگے لے آتا تھا کہ آپ مجھے ذبح کر دیں۔گویا کہ ہر اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے قربان ہونے کے لیے بے تاب تھا۔ تریسٹھ (۶۳) اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ذبح کئے۔اس سے اس طرف بھی اشارہ تھا کہ میری عمر بھی تریسٹھ سال

ہے اور مابقیہ سینتیس (۳۷) اونٹ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا ذبح کردو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو زمانے کے مقدر جاگے:

میرے مخلص سامعین کرام! ہمارے لیے یہ بہت بڑی سعادت ہے کہ مالک الملک نے ہمارے مانگے بغیر ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرمایا۔ اب اگر ہم دنیا وآخرت کی فلاح وکامرانی چاہتے ہیں تو خلوص نیت کے ساتھ کلام اللہ و سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑیں۔ جب تک ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہیں کریں گے۔ ہم کامیاب نہیں ہوسکتے ہیں۔

دیکھئے! جب رسول اکرم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔ اس وقت پوری دنیا بلا خیز طوفان، ضلالت اور جہالت میں مبتلا تھی۔ حق کی آواز مٹ چکی تھی۔ عرب بتوں کی پرستش میں مبتلا تھے۔ پوجا کرنے والوں سے زیادہ بت تھے۔ عیاشی، زنا کاری، شراب نوشی، قتل وغارت گری، غرض کوئی برائی ایسی نہیں تھی جس میں عرب قوم مبتلا نہ ہو، جیسے آج پوری دنیا ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا ہے، مگر خوش نصیب صحابہ کرامؓ تھے، جنہوں نے امام الانبیاء سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھاما، جس کے طفیل جو لوگ بت پرست تھے، وہی لوگ اعلیٰ درجہ کے خدا پرست ہوگئے۔

جو لوگ قاتل اور خون ریز، خونخوار حتیٰ کہ اپنے ہی بچوں اور بیٹیوں کو زندہ دفن کردیتے تھے، وہی لوگ انتہا درجہ کے نرم دل ہوگئے اور ان کے سینے خوفِ خداوندی سے پر ہوگئے۔

جو لوگ کہ رہزن اور ڈاکو اور چور تھے وہی اول درجے کے امانت دار اور پاسبان

بن گئے۔

جولوگ ان پڑھ اور جاہل تھے وہی زمانے کے بڑے عالم بن گئے۔

جولوگ انتہا درجہ کے فقیر اور دردر کے بھکاری تھے وہی خلفا اور بادشاہ زماں بن گئے۔

جولوگ اللہ رب العزت کے دشمن تھے، وہ اولیاء اللہ بن گئے۔

جولوگ کہ لعنت کے طوق میں گرفتار تھے، صرف ان ہی لوگوں کو رضاء مولیٰ کی سند نہیں ملی، بلکہ جولوگ ان کے نقش قدم پر چلیں گے، ان سے بھی رب العالمین خوش ہو جائے گا۔رضی اللہ عنہم اجمعین۔اسی کو شاعر نے خوب کہا ہے ـــــــ:

کفر کی شام ڈھلی صبح کے منظر جاگے
آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو زمانے کے مقدر جاگے

اس لیے اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں بھی امن وامان اور چین وسکون کی زندگی گذاریں اور آخرت میں سرخروئی حاصل ہو اور مولیٰ ہم سے راضی ہو جائے، تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع دل وجان سے کریں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور اکرم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

المصادر و المراجع

اسماء کتب

قرآن مجید
بخاری شریف
مسلم شریف
ترمذی شریف
مشکوٰۃ
خصائص کبریٰ
بیہقی
اتحاف السادات
مدارج النبوۃ
مسند احمد
مؤطا امام مالک
تفہیمات
سبل الہدیٰ
ترجمہ قرآن تھانویؒ
معارف القرآن
معالم العرفان
ابن کثیر
ابن ماجہ
مجمع الزوائد
کنز العمال
ترجمان السنہ
البدایہ والنہایہ
قصیدہ بردہ
معارف القرآن (ادریسی)
کشف الرحمٰن